زینب
از طیبہ ساجد

السلام علیکم!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842

زینب از طیبہ ساجد

قسط نمبر ۳:

دروازے کی دستک نے ان کے مطالعے میں خلل پیدا کیا۔ تسلسل ٹوٹا تو دونوں نے چونک کر سر اُٹھایا۔ پُر فسوں ماحول میں ارتعاش پیدا ہوا۔ بشریٰ اماں نے بدمزہ ہو کر زخرف کو دیکھا۔ زخرف نے مسکراہٹ دبائی۔

"دادی، مجھے لگتا ہے آپ کے مہمان آگئے ہیں۔"

www.novelsclubb.com

کہتے ہوئے زخرف نے کتاب بند کی اور بیڈ سے اتری۔ پھر بشریٰ اماں کو ٹیک لگا کر بٹھایا اور خود صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ اتنی دیر میں دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

"آ جاؤ۔۔۔۔۔"

انہوں نے زرا اونچی آواز میں کہا۔ اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر عورت

اندر داخل ہوئی۔ ہلکے نیلے رنگ کی شلوار قمیض میں ملبوس وہ خوبصورت نین نقش کی خاتون اندر آتے ہی مسکراتے ہوئے سیدھا بشریٰ اماں کے بستر کی طرف بڑھی۔

''اسلام علیکم! اماں۔۔۔۔"

''وعلیکم اسلام! آؤ آؤ ماشاءاللہ میری بیٹی آئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔"

انہوں نے بھی والہانہ انداز میں مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔ جو چیز ان کو مطالعے میں خلل لگ رہی تھی وہ تو ان کیلئے خوشی کا باعث تھی۔

''کیسی ہو بیٹا۔۔۔؟ سفر کیسا رہا۔۔۔"

اب وہ خوشگوار لہجے میں ان سے خیریت دریافت کرنے لگی۔

''جی الحمداللہ، خیر وعافیت سے پہنچ گئے۔۔۔"

وہ بتا ہی رہی تھیں اسی وقت دو نوجوان لڑکے اور ایک کم عمر لڑکی بھی کمرے میں داخل ہوتے دیکھائی دیئے۔ ان کے پیچھے اُحد بھی تھا۔ یقیناً وہ انہیں کے بچے تھے۔ آتے ہی وہ بھی نانی کی طرف لپکے۔

بشریٰ اماں ان سے بھی والہانہ انداز میں ملی۔ دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا وہ سب انہیں بہت عزیز تھے۔ ملنے کے بعد وہ سب بھی جگہ بنا کر ان کے پاس بیڈ پر ہی بیٹھ گئے۔

زخرف کی ان کی طرف پشت تھی۔ وہ صوفے کے پاس کھڑی اپنی چیزیں سمیٹ رہی

تھی۔ کسی کا بھی اس کی طرف دھیان نہیں گیا تھا۔

"آج تو تمھارا بڑا بیٹا بھی آیا ہے۔ خیریت ہے جناب۔ لگتا ہے آپ کو نانی کی یاد آ ہی گئی ہے۔"

بشریٰ اماں نے پاس بیٹھے ان کے بڑے بیٹے کے کان کھینچے تھے وہ فوراً ان کے قریب ہوا۔

"نانی جان، اب آپ مجھے انڈر اسٹیمیٹ کر رہی ہیں۔ میں ہر بار آتا ہوں۔ کام کی وجہ سے کچھ لیٹ ہو جاؤں تو وہ الگ بات ہے۔۔۔۔۔"

اس نے فوراً اپنا دفاع کیا۔

زخرف نے چیزیں بیگ میں ڈالتے کن اکھیوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔ سب ساتھ بیٹھے کتنے مکمل لگ رہے تھے۔

"ہاں اگر آج تم آ گئے ہو تو تمھارے ابو کو فرصت نہیں ملی۔ کہاں ہیں صاحب بہادر۔۔۔؟"

"نانی جان، آج گاؤں کی ضروری پنچائیت تھی۔ میری غیر حاضری تو قابلِ قبول تھی لیکن ابو کا وہاں جانا انتہائی ضروری تھا۔ کہہ رہے تھے کچھ دیر تک پہنچ جائیں گے۔۔۔"

اس نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر مکمل اطمینان کروایا۔

"ٹھیک ہے دادی جان میں چلتی ہوں۔"

زخرف نے سامان سمیٹ کر دادی جان سے اجازت مانگی۔اب پہلی بار کسی کی موجودگی کا احساس کرتے ہوئے سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ایسے ہی چلتی ہوں۔ادھر آؤ بیٹا۔۔۔۔۔"

سب کی سوالیہ نظروں کے جواب میں بشریٰ اماں نے اسے اپنے پاس بلایا۔ناچاہتے ہوئے بھی بادلنخواستہ وہ بیڈ کی طرف بڑھی۔

"امی کون ہے یہ۔۔۔۔۔"

زرین بیگم سے مزید انتظار نا ہوا تو پوچھ ہی لیا۔

"یہ زخرف ہے۔۔۔۔۔۔"

دادی نے ایک پیار بھری نظر اس پر ڈالی۔

"جب مجھے فالج کا اٹیک ہوا تھا تب اس نے میرا خیال رکھا تھا۔اس کے بعد محمود نے اسے گھر پر بھی میری دیکھ بھال کیلئے رکھ لیا۔ماشاءاللہ بہت پیاری بچی ہے۔بہت محنتی ہے۔۔۔۔"

زرین بیگم نے اب زخرف کو غور سے دیکھا۔سفید شلوار قمیض پر سفید آوور آل کوٹ

پہنے وہ ان کے سامنے اعتماد سے کھڑی تھی۔ چہرے سے غیر معمولی سنجیدگی جھلکنے کے باوجود کوئی چیز تھی جس نے زرین بیگم کو کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے پر مجبور کیا تھا۔

"اسلام علیکم!"

ان کی نظریں اپنے اوپر محسوس کرتے ہوئے مجبوراً زخرف کو انہیں سلام کرنا پڑا۔ ساتھ ہی اس نے جھک کر پیار بھی لیا تھا۔ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"خوش رہو بیٹا۔۔۔"

اب کے زخرف نے نظر اٹھا کر ان کے بچوں کو دیکھا۔ بیٹی سے ہوتی ہوئی اس کی نظر اُن کے چھوٹے بیٹے پر پڑی تو بے اختیار وہ بول اٹھا۔

"اسلام علیکم!۔۔۔۔۔۔"

مزید کچھ بولنے سے پہلے ہی اس کے بھائی نے اس کا گھٹنا دبایا۔ اس کے باقی الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ اب کی بار زخرف نے ہلکا سا مسکرا کر سر کے خم سے اس کے سلام کا جواب دیا۔

"زوراور زرا میری بات سنو۔۔۔ نانی جان میں ابھی آتا ہوں۔۔۔"

ایک ہی فقرے میں دو لوگوں کو مخاطب کر کے ان کا بڑا بیٹا اٹھ کر باہر چلا گیا۔ ناچار

زوراور کو اس کے حکم کی تقلید کرنی پڑی۔ بھائی کی بات کو نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"دادی جان، میں جاؤں۔۔۔"

زخرف نے اب دادی جان کی طرف رُخ کیا۔

"نہیں زخرف ایسے تو امی تمھیں کبھی نہیں جانے دیں گی۔ رُک جاؤ کھانا کھا کر جانا۔۔۔"

کب سے چپ کھڑا اُحد اس بات پر فوراً بولا تو زخرف نے دل میں سوچا کاش! یہ خاموش ہی رہتا۔

"ہاں ٹھہر جاؤ زخرف۔۔۔۔۔"

بشریٰ اماں نے بھی کہا۔

"لیکن دادی جان مجھے ہوسپیٹل بھی جانا ہے۔۔۔۔"

اس نے راہِ فرار اختیار کی۔

"تم ہمیں بیوقوف سمجھتی ہو۔۔۔۔۔ سب جانتے ہیں تمھیں ہوسپیٹل سے ہفتہ اتوار آف ہے۔۔۔۔۔۔"

"بیٹا، سب اصرار کر رہے ہیں تو رُک جاؤ۔۔۔۔"

زرین بیگم نے بھی بالآخر کہا۔ لیکن سامنے بھی زخرف تھی وہ جانتی تھی یہاں رُکنا وہ بھی اس وقت میں کتنا خطرناک ہو سکتا ہے۔

"آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔ لیکن مجھے اجازت دیں۔ ایسے ہی آپ کا فیملی ڈنر خراب نا ہو۔"

آخری بات البتہ اس نے اپنے دل میں ہی کہی تھی۔

"اللہ حافظ دادی جان، آنٹی۔۔۔ مل کر اچھا لگا آپ سے۔۔۔"

ان دونوں کے پیار میں کمی نہیں آئی تھی وہ مسکراتے ہوئے اس سے ملیں۔ پھر وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"آپ سے بھی مل کر اچھا لگا بیٹا۔ میں ابھی چند دن یہی ہوں اپنی بیٹی کے ساتھ۔ ملاقات ہوتی رہے گی۔"

اور زخرف نے ان کی بات کے اختتام تک بامشکل چہرے پر مسکراہٹ قائم کی رکھی۔ پھر اس نے باہر کی طرف قدم بڑھائے۔ لاؤنج سے نکل کر وہ ابھی لان میں داخل ہی ہوئی تھی کہ وہ دونوں بھائی اس کے راستے میں آگئے۔

زخرف نے ایک طرف ہو کر ان کو جگہ دی۔ دونوں آگے پیچھے اندر آئے اور زخرف تیزی سے باہر کی طرف بڑھی۔ ابھی وہ لان کے وسط میں ہی کچھ آگے تک پہنچی تھی

جب اسے کسی نے پیچھے سے پکارا۔

"زخرف۔۔۔۔"

بادلنخواستہ وہ مڑی۔ سامنے سے محمل چلتی آ رہی تھی۔

"تم کیوں جا رہی ہو۔ اب رُک جاؤ۔ پھوپھا جان آنے ہی والے ہیں۔ کھانا کھا کر چلی جانا۔"

محمل نے روانی میں بولتے نوٹ نہیں کیا کہ پھوپھا جان کے نام پر اس کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزرا تھا۔

"آج میری کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پھر کبھی سہی۔۔۔۔"

زخرف نے حد درجہ کوشش کی تھی کہ بے زاری اس کے چہرے سے عیاں نہ ہو۔

"ٹھیک ہے جاؤ۔ لیکن امی بہت اصرار کر رہی تھیں۔ کل وہ بہت خفا ہو گی۔"

محمل کے چہرے پر واضح مایوسی چھائی تھی۔ اسی وقت ہارن کی آواز آئی۔ گارڈ نے جلدی سے اٹھ کر بڑا گیٹ کھولا۔

"محمل، آنٹی کو میں کل سمجھا دوں گی۔ ابھی میں چلتی ہوں۔"

زخرف نے ہاتھ سے اس کا بازو تھپک کر تسلی دی اور واپس مڑی۔ اسی وقت سیاہ رنگ کی مرسڈیز اندر داخل ہوتی دیکھائی دی۔ جس وقت زخرف گاڑی کے ساتھ سے

گزری اس نے ادھ کھلے شیشے سے دیکھا کہ اندر بیٹھا مرد موبائل کان سے ہٹا رہا ہے اور بس۔۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔

کچھ آگے جا کر گاڑی رُکی اور پچھلی نشست سے ایک درمیانی عمر کا مرد باہر نکلا جس کی آنکھوں پر کالا چشمہ تھا۔ سیاہ، شلوار قمیض میں ملبوس وہ بہت خوبرو اور ہینڈسم تھا۔

محمل ان کی طرف بڑھی تو انہوں نے اپنی گلاسز اتاری۔ بھوری آنکھیں دھوپ میں واضح ہوئی۔

زخرف نے بس ایک نظر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ ان کے چہرے میں اسے 'کسی' کی شبیہ دیکھائی دی۔ خاص کر بھوری آنکھوں میں۔ اور پھر وہ مڑ گئی۔ باہر نکلنے سے پہلے اس نے محمل کی خوشی سے بھرپور آواز سنی تھی۔

''پھوپھا جان، آپ اتنی جلدی آگئے۔ بڑے بھائی تو کہہ رہے تھے کہ آپ دیر سے آئیں گے۔''

''بس بیٹا میں نے کہا اپنے بچوں کو خوش کر دوں۔۔۔ تمھارے بڑے بھائی کو۔۔۔۔''

اور گیٹ بند ہو گیا۔ ان کی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ اس نے کھلی فضا میں سکون کی گہری سانس لی۔ یہ بہت مشکل تھا۔ اسے چھٹی کر لینی چاہیے تھی۔

www.novelsclubb.com

سر جھٹک کر وہ اس محل نما گھر سے کچھ آگے بنی دکان کی طرف بڑھی جہاں صبح اس نے اپنی گاڑی ریپیئر کیلئے دی تھی۔

"ماشاءاللہ، اماں یہ بچی تو مجھے بہت پیاری اور بااخلاق لگی۔"

اندر زخرف کے جاتے ہی زرین بیگم نے مسکرا کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"ہاں بیٹا، بچی تو بہت سگھڑ اور بااخلاق ہے۔اس کی مرہونِ منت ہی آج میں دوبارہ تندرست ہوئی ہوں۔ بہت خیال رکھتی ہے۔ جب تک یہاں ہوتی ہے بیڈ سے نیچے قدم نہیں رکھنے دیتی۔ جو کہوں وہ کرتی ہے۔ کبھی لیٹ نہیں ہوتی۔ ایک منٹ کا بھی ---------------"

"کس کی اتنی تعریفیں ہو رہی ہیں۔۔۔؟"

تبھی وہ دونوں اندر آتے ہوئے بولے۔

"مجھے تو نانی جان کے منہ سے کسی اور کی اتنی تعریف بالکل ہضم نہیں ہو رہی۔"

"ہاں بھئی، ہمیں بھی تو پتہ لگے کون ہے وہ جس کی شان میں نانی جان نے پورا پیرا گراف ہی بول ڈالا۔"

زوراور بھی بڑے بھائی کی تقلید کرتے ہوئے بولا۔

"وہ زخرف۔۔۔ماشاءاللہ کتنی پیاری بچی ہے۔۔۔"

"ہاں پیاری تو وہ تھیں۔۔۔۔کیوں نہ"

زوراور کہہ رہا تھا کہ بھائی کی طرف سے پڑنے والے تھپر پر اس کی زبان کو بریک لگا۔

کوئی نئی لڑکی دیکھ کر زوراور لائن نا مارے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

"شرم کرو کچھ۔ محمل سن لے گی۔"

"سوری بھائی،"

کھسیانہ سا ہو کر اس نے کان کھجائے۔

بشریٰ اماں اور زرین بیگم مسکرا دی۔وہ ابھی تک اپنے چھوٹے بھائی کی ہر بات ہر حرکت نوٹ کرتا تھا۔جبکہ اُحد نے باقاعدہ اس کا ریکارڈ لگا یا۔

"تم ٹھہر وا بھی محمل کو بتاتا ہوں۔"

اور وہ واک آؤٹ کر گیا۔

"تم ٹھہر جاؤ۔۔۔۔"

وہ اس کو آوازیں دیتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگا۔ مبادا واقعی محمل کے سامنے کچھ نا بول دے۔

"یہ بچے بھی نا۔ بڑے ہو گئے ہیں۔ لیکن بچپنا نہیں چھوڑیں گے۔"

"اللہ ہی انہیں عقل دے۔"

"ویسے اماں، کہاں رہتی ہے یہ۔ اس کے گھر والے کہاں ہوتے ہیں۔"

بشریٰ اماں بُری طرح چونکی۔ چونکا تو پاس بیٹھا ان کا بڑا بیٹا بھی تھا۔

"کس کی بات کر رہی ہو۔۔۔؟"

پھر بھی انہوں نے لاتعلقی کا اظہار کیا۔

"زخرف کی اماں۔۔۔"

"گھر تو بیٹا اس کا دور ہی ہے۔ اکیلی ہی رہتی ہے۔ ماں، باپ اس دنیا میں نہیں رہے۔ خود ہی اپنا گھر چلاتی ہے۔"

www.novelsclubb.com

"تو کوئی بہن بھائی، رشتے دار وغیرہ۔۔۔"

"بیٹا یہ تو میں نے کبھی نہیں پوچھا۔ اپنے بارے میں بہت کم بات کرتی ہے۔"

بشریٰ اماں نے بات سمیٹنی چاہی۔

"لیکن اماں۔۔۔۔۔"

"پھوپھو۔۔۔۔۔۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ پوچھتیں محمل انہیں آواز دیتی کمرے میں چلی آئی۔وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"جی بیٹا۔۔۔۔۔"

"پھوپھا جی آ گئے ہیں۔امی کہہ رہی ہیں آ جائیں۔کھانا تیار ہے۔"

اس سے پہلے کہ کوئی کچھ کہتا ان کا بڑا بیٹا فوراً کھڑا ہو گیا۔

"چلیں امی پہلے کھانا کھاتے ہیں۔باتیں تو بعد میں بھی ہو تیں رہی گی۔"

"ہاں چلو۔۔۔۔۔"

وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"غازی۔۔۔۔۔زرا میرا ہاتھ پکڑو بیٹا۔میں اٹھو۔"

ان کی آواز پر وہ مڑا اور نانی کو سہارا دے کر اٹھانے لگا۔آہستہ آہستہ آگے پیچھے سب ہی کھانے کیلیئے باہر چلے گئے۔اور کسی کو یہ احساس بھی نہ ہوا کہ 'کوئی' کتنی خوبصورتی سے 'اتنی' ضروری بات کو گول مول کر گیا تھا۔

آج پھر جب وہ گھر پہنچی تو دروازہ کھلا تھا اور پارکنگ میں ایک گاڑی کھڑی تھی۔ لیکن آج کی کار کا رنگ سیاہ تھا۔ سیاہ مرسڈیز۔ اپنی کار پارک کر کے وہ باہر نکلی تو اندھیرا تھا۔ مطلب آنے والے نے پورچ کی لائٹ جلانے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

وہ اپنا بیگ بازو پر ڈالے لان عبور کر کے لاؤنج میں آئی تو معمول کے مطابق ایک وجود کو صوفے پر بیٹھا پایا۔ بیگ کو صوفے پر پھینک کر اس نے لاؤنج کی لائٹ آف کر کے کچن کی لائٹ آن کی۔ فریج کا دروازہ کھول کر وہ جھکی اور چھوٹی پانی کی بوتل نکال کر منہ سے لگائی۔ اگلے ہی لمحے وہ غٹا غٹ سارا پانی پی گئی۔ مدھم روشنی میں اس کے ماتھے اور گردن کا پسینہ واضح ہوا۔

"ابھی بھی ناراض ہو۔۔۔؟"

صوفے پر بیٹھے وجود نے ایل۔ سی۔ ڈی بند کر کے رُخ موڑا۔ اب سارے لاؤنج میں اندھیرا تھا۔ صرف کچن کی چھوٹی لائٹ جل رہی تھی۔ جس سے زخرف کی حرکات واضح ہو رہی تھیں۔ وہ گہرے گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"زخرف، آر یو اوکے۔۔۔۔؟"

اس کے خاموش رہنے پر وہ پریشانی سے دوبارہ بولی۔ وہ دوبارہ خاموش رہی تو وہ اٹھ کر اس کے پاس کچن میں چلی آئی اور اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا اور براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی شہد رنگ آنکھیں بے تاثر تھیں۔

"کیا ہوا ہے۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔۔۔"

بے تاثر لہجے میں کہہ کر وہ اپنا بازو چھڑواتے ہوئے لاؤنج میں آ گئی اور صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے اس کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند گئی۔

"زخرف خاموش کیوں ہو۔۔؟ مجھ سے ناراض ہو۔۔؟"

"نہیں شانزے، تمھاری تو کوئی غلطی بھی نہیں تھی۔ تم نے تو سب شاہ کے کہنے پر کیا تھا۔ ہے نا۔۔"

www.novelsclubb.com

شانزے یک دم چپ ہو گئی۔ کچھ لمحے گزرے تو وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"وہ آیا تھا۔۔۔؟"

"ہاں وہ آیا تھا۔۔۔۔"

زخرف نے اپنی آنکھیں کھول کر چھت کو دیکھا۔

''ہر بار کی طرح مجھے کافی دن انتظار کروانے کے بعد۔۔۔ہاں وہ آیا تھا۔۔۔۔اور پتہ ہے کیا ہوا۔۔۔۔؟''

شانزے جانتی تھی یہ سوال نہیں ہے۔لیکن اندھیرے میں چھت کو تکتے وہ کہے جا رہی تھی۔

''وہ آیا۔۔۔۔اور ہر بار کی طرح میری مزاحمت پانچ منٹ میں ہی دم توڑ گئی۔میں اس کے سامنے کوئی شکوہ نہیں رکھ پائی۔اس سے کوئی گلہ نہیں کر پائی۔کیوں۔۔۔۔؟''

آخر میں اس کی آواز یک دم بلند ہوئی کہ شانزے بھی یک دم سہم گئی۔اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا اور شانزے کی جانب رخ کیا۔

''کیوں شانزے۔۔۔۔۔۔۔کیوں۔۔۔میں کیوں اس کے کہنے پر سب کچھ کرتی جاتی ہوں۔۔۔۔۔''

یک دم ہی اس کی آنکھوں میں آنسو چمکے تھے۔اس کی حالت ابتر ہو رہی تھی۔جوڑے سے نکلی لٹیں الجھ کر چہرے کے دونوں اطراف میں بکھری تھیں۔سفید آوور آل کوٹ کے بٹن بھی آگے سے کھلے تھے اور ڈوپٹہ ندارد تھا۔

''بتاؤ شانزے میں کیوں اس کو انکار نہیں کر پاتی۔میں ہمیشہ کیوں اپنوں سے ہار جاتی ہوں۔سبھی کہتے ہیں اپنوں سے کہ جانے والی جنگ میں سب سے زیادہ نقصان اسی

انسان کا ہوتا ہے جس نے یہ جنگ شروع کی ہوتی ہے کیونکہ ہم اپنوں سے کبھی جنگ کر ہی نہیں پاتے۔ ہم ہمیشہ اپنوں کے آگے ہار جاتے ہیں۔ ہم اپنوں کے آگے بے بس ہو جاتے ہیں۔ کیوں۔۔۔۔؟"

وہ چِلا کر شانزے سے پوچھ رہی تھی۔ وہ اس وقت خاموش اور سلجھی ہوئی زخرف نہیں لگ رہی تھی۔ وہ اس وقت الجھی اور بکھری زخرف لگ رہی تھی۔

"وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ سب کچھ اس کے کہنے پر ہی ہوا تھا پھر وہ اپنے ماں باپ سے بات کیوں نہیں کرتا۔۔؟"

شانزے اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر فوراً اٹھ کر اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

"تم کل رات سے ڈسٹرب ہو۔"

"نہیں، میں پچھلے پانچ سال سے ڈسٹرب ہوں۔"

زخرف نے اتنا کہہ کر سر اپنے ہاتھوں میں گرا لیا۔ شانزے کی زبان کو بھی چپ لگی۔ کچھ دیر لاؤنج میں خاموشی رہی۔ صرف زخرف کے تیز چلتے تنفس کی آواز آ رہی تھی۔ پھر شانزے ہمت کر کے بولی۔

"زخرف اس کو بھی سمجھو۔ اس کی مجبو۔۔۔۔۔"

زخرف نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں۔ جیسے سارے

چہرے کا خون سمٹ کر اس کی آنکھوں میں آگیا ہو۔

"مجھے اس کی مجبوریاں بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"دیکھو یار۔۔۔۔"

اس سے پہلے کہ شانزے کچھ کہتی فون کی ٹون نے اس کی آواز کو روکا۔ زخرف نے اپنے موبائل کو بیگ سے نکال کر دیکھا۔ پھر پھینکنے کے انداز میں ٹیبل پر رکھا۔

"بس یہی کرنا آتا ہے اسے۔۔۔"

اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کب سے نارمل ہونے کی کوشش کر رہی تھی اور بالآخر وہ کامیاب ہو گئی تھی۔ موبائل ابھی تک بج رہا تھا۔

"ضروری بات کرنا ہو گی۔"

شانزے نے اسے سمجھانا چاہا۔ وہ عجیب کشمکش میں پڑ گئی تھی۔ لیکن اب وہ اس کو اور موبائل کو نظرانداز کرتی آنکھیں صاف کر کے بال سمیٹ رہی تھی۔

"شانزے کال ریسیو کر کے کہہ دو کہ زخرف مر گئی۔"

"اللہ نہ کرے۔۔۔"

بے اختیار شانزے کے لبوں سے نکلا۔ زخرف اب تکیے ٹھیک کر کے لاؤنج کی حالت بہتر کرنے لگی تھی۔ پھر بالآخر جب مسلسل فون بجتا رہا تو شانزے نے موبائل اٹھایا اور

کال اوکے کر کے کان سے لگایا۔

"اسلام علیکم!"

"جی زخرف فریش ہونے گئی ہے۔ کوئی ضروری بات ہے تو مجھے بتا دیں۔"

رُک کر اس نے کچھ سنا۔

"جی ٹھیک ہے۔ میں کہہ دیتی ہوں۔"

اور فون رکھ دیا۔

"زخرف وہ۔۔۔۔"

وہ جو کچن میں کافی بنانے جا رہی تھی ہاتھ جھلا کر اکتاہٹ سے بولی۔

"پلیز مجھے کچھ نہیں سننا۔"

"یار وہ دراصل۔۔۔۔"

"شانزے نو مور آرگیومنٹ پلیز۔۔۔۔"

www.novelsclubb.com

قطعی لہجے میں کہہ کر اس نے کافی کیلئے کافی میکر اور دودھ نکالا۔ شانزے چپ چاپ صوفے پر بیٹھ کر اسے دیکھتی رہی۔ اب یہ تو پکا تھا کہ وہ اس کے موڈ ٹھیک ہونے کا انتظار کرے گی کیونکہ 'پیغام' دیے بغیر وہ نہیں جا سکتی تھی۔

اگلی صبح اس کی گاڑی مطلوبہ کالونی میں داخل ہوئی تو غیر معمولی خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔دماغ پر زور ڈالنے پر اسے یاد آیا کہ آج تو سنڈے ہے اور عموماً ملتان کی گرم گلیوں میں اتوار کی صبح دیر سے ہی ہوتی تھی۔

گھر کے سامنے گاڑی رکی تو گارڈز نے فوراً اسے دیکھ کر بڑا گیٹ کھولا۔آہنی سلاخوں کا دروازہ ہٹا تو اس نے گاڑی اندر بڑھائی۔

چند لمحے بعد جب وہ لان عبور کر کے لاؤنج میں آئی تو سامنے اس کی نظر بیگم زرین پر پڑی۔جو لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی تلاوت کر رہی تھیں۔

اب وہ ایسے گزرتی تو بد تمیزی تھی کیونکہ دادی کے کمرے میں جانے تک اسے انہیں کراس کرنا پڑنا تھا۔ویسے انتظار کرنا مشکل نہیں تھا اور وہ اتنی بد اخلاق بھی نہیں تھی کہ کچھ دیر انتظار نہ کر سکے سو وہ انتظار کرنے لگی۔

"السلام علیکم !۔"

www.novelsclubb.com

کچھ دیر بعد جب انہوں نے قرآن بند کیا تو زخرف نے جھکتے ہوئے سلام کیا۔انہوں نے منہ میں کچھ پڑھ کر زخرف کے سر پر پھونک ماری اور اسے پیار دیتے ہوئے بولی۔

"وعلیکم اسلام !کیسی ہو بیٹا۔۔۔؟"

"میں ٹھیک ہو آنٹی۔آپ کیسی ہیں۔۔۔؟"

اس نے بھی مسکراہٹ چہرے پر سجائے پوچھا۔اس کا ایک ہاتھ پہلو میں اور دوسرا پرس کی چین پر تھا۔یہاں بات ختم ہو یہاں وہ بھاگ جائے۔

"میں ٹھیک ہو بیٹا۔ذرا یہ قرآن اُدھر الماری میں رکھ دو۔"

"جی لائیں۔"

وہ فوراً آگے بڑھی اور ان سے قرآن پکڑ کر الماری میں رکھا۔پھر ان کی طرف مڑی اور بلاارادہ ہی ان سے پوچھنے لگی۔

"آنٹی گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے۔۔؟"

www.novelsclubb.com

"کل رات کافی دیر تک گھر سے باہر رہے ہیں یہ بچے۔ابھی سب آرام کر رہے ہیں۔ اتوار تھا آج بھائی نے بھی کام پر نہیں جانا تھا اس لئے ابھی تک سب سوئے ہی ہوئے ہیں۔"

انہوں نے تفصیل سے بتایا تو وہ مزید پوچھنے گی۔

”کیا دادی جان بھی ابھی تک نہیں اٹھی۔۔؟“

”دیکھ لو بیٹا۔ نماز پڑھ کر لیٹی تھیں۔ میرا خیال ہیں جاگ گئی ہو گیں۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔“

یہ کہہ کر اب وہ ان کے آگے سے گزر کر بشریٰ اماں کے کمرے کی طرف بڑھی۔

زرین بیگم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اب اس مسکراہٹ کا کیا مطلب تھا یہ تو اللہ ہی جانتا تھا۔

وہ آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئی تو اندر مکمل خاموشی تھی۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا اور اے۔ سی کی خنک محسوس کی جا سکتی تھی۔ ایک لمحے کیلئے تو وہ ٹھٹھری۔ پھر اندازاً نیم اندھیرے میں قدم اٹھاتی بیڈ تک پہنچی اور سائیڈ ٹیبل سے ریموٹ اٹھا کر اے۔ سی بند کیا۔ مزید چند قدم وہ آگے بڑھی ہی تھی کہ یک دم ٹھٹھکی۔ صوفے پر لیٹا کوئی وجود دیکھائی دیا۔ اس نے بیڈ پر دیکھا۔ اندھیرے میں آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئی تو بشریٰ اماں دوسری طرف کروٹ لئے لیٹی دیکھائی دیں۔ وہ آہستہ سے ان کی طرف بڑھی اور بشریٰ اماں کو ہکا سا ہلایا۔ لیکن ان کے وجود میں ہلکی سی بھی جنبش نہیں ہوئی۔ یقیناً وہ سو رہی تھی۔

وہ مڑی اور آگے بڑھ کر کھڑکیوں کے آگے سے پردے اتنی زور سے ہٹائے کے

صوفے پر لیٹا وجود جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔پہلے تو اسے سمجھ نہیں آیا کہ میرے ساتھ ہوا کیا ہے اور جب سمجھ آیا ا۔۔۔۔۔۔۔۔

"بد تمیزی کی انتہا ہو گئی ہے۔کوئی اس گھر میں سونے کیوں نہیں دیتا۔پتہ بھی ہے مجھ سے زرا سی بھی روشنی میں سویا نہیں جاتا لیکن کوئی سنے تو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"سٹوپ اٹ۔۔۔۔۔"

وہ جو آنکھوں کے آگے ہاتھ کئے غصے سے بولے جا رہا تھا زخرف کے یک دم اونچی آواز سے بولنے پر زبان کو بریک لگا یا۔اب اس نے انگلیوں سے آنکھوں کو مسلتے ہوئے غور سے سامنے دیکھا تو بے یقینی سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی۔اتنے میں دادی بھی اٹھ چکی تھیں۔

"کیا ہوا زخرف۔۔۔۔؟"

کروٹ بدلتے انہوں نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے زخرف سے پوچھا۔وہ فوراًان کی طرف بڑھی اور انہیں اٹھنے میں مدد دی۔

"کچھ نہیں دادی بس آپ کو ہی اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ یہ اٹھ کر مجھے بولنے لگے۔"

"نہیں نانی جان۔۔۔۔۔۔پہلے یہ،۔۔۔۔۔۔"

اس نے بولنے کی کوشش کی لیکن۔۔۔۔

"غازیان۔۔۔۔۔۔۔"

اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بشریٰ اماں نے اسے آنکھیں دیکھائی تو ناچار اسے چپ ہونا پڑا۔

کوئی کچھ بھی کہے لیکن نانی جان کا حکم سر آنکھوں پر۔

زخرف نے سہارا دے کر انہیں بیڈ سے اٹھایا اور واش روم تک لے گئی۔ پھر خود کمرے کی چیزیں سمیٹنے لگی۔ جب صوفے تک پہنچی تو وہ ابھی تک وہیں کھڑا غصے سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کائینڈلی مسٹر، سائیڈ پر ہٹ جائے۔ میں آپ کی طرح فارغ نہیں ہوں۔ کام ہیں مجھے بہت۔"

زخرف نے تپ کر کہا۔ فضول میں یہ انسان اس کے پیچھے پڑ گیا تھا اور مسئلے اس کے کم تھے جو یہ نیا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ زخرف کی بات سن کر تو اس کا دماغ ہی ہل گیا۔

"کیا کہا تم نے۔۔۔۔ میں فارغ۔۔۔ تم ہوگی فارغ۔۔۔۔ تم ہوگی۔۔۔"

غصے میں وہ پتہ نہیں کیا بولنے والا تھا کہ یک دم رُک گیا۔ پھر جھک کر صوفے سے اپنا بلینکٹ اٹھا کر وہاں سے واک آؤٹ کر گیا۔ زخرف نے سر جھٹک کر کام کی طرف دھیان دیا۔

''امی مجھے یہاں رُکنا ہی نہیں چاہیے تھا۔۔۔''

باہر آکر وہ زرین بیگم کے ساتھ بیٹھتے ہوئے خفا لہجے میں بولا۔وہ سخت خفا لگ رہا تھا۔

وہ جواب کوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔ایل۔سی۔ڈی کی آواز بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''کیا ہوا میرے شہزادے کو۔۔۔۔؟''

''امی مجھے نانی کے کمرے سے نکال دیا گیا۔اب کسی میں اتنی ہمت بھی آگئی ہے کہ نانی کے لاڈلے کو ان کے کمرے سے باہر نکال دے۔۔''

اس نے اتنی آواز میں کہا تھا کہ اندر تک صاف آواز جائے۔پتہ نہیں کیوں اسے اُس پر شدید غصہ آرہا تھا۔

''کس نے کی یہ ہمت۔۔''

زرین بیگم نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر اس کے بال سہلاتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''وہ لڑکی۔۔۔۔۔۔''اس نے رُک کر سوچا۔''ہاں وہ زخرف۔۔۔''

''غازی،کیسے چھوٹے بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔وہ امی کی کیئر ٹیکر ہے اور یہ بچپنا تھوڑی ہے جو ضد کرو گے۔تم تو اب میچور ہو گئے ہو۔تم سے مجھے ایسی حرکت کی توقع نہیں تھی۔''

بات کے اختتام پر انہوں نے ہلکی سی چپت اس کے سر پر لگائی۔

"امی آپ اب اس لڑکی کی طرف داری کر رہی ہیں۔"

"بیٹا وہ ہے ہی طرف داری کے لائق۔"

ان کی بات سن کر وہ یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے اٹھ کر بیٹھا۔

"امی کیا بات ہے۔ آپ اس لڑکی میں زیادہ ہی دلچسپی نہیں لے رہی۔"

"ہاں لے تو رہی ہو۔"

ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہنوز قائم تھی۔

"کیا چل رہا ہے آپ کے دماغ میں۔"

اس کی گرد خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔

"وہ بیٹا۔۔۔۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں اُحد چلاتا ہوا اپنے کمرے نکلا اور بھاگ کر لاؤنج کی طرف آیا۔ پھر چھلانگ لگا کر وہ زرین بیگم کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا اور ان کا بازو پکڑ لیا۔

"پھوپھو بچائیے مجھے اپنے جن سے۔ میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

"امی بسس، آج آپ اس کی طرفداری نہیں کرے گی۔"

زوراور بھی اس کے پیچھے ہی آتا ہوا بگڑے موڈ سے بولا۔

"اب کیا ہوا ہے۔۔۔؟"

"امی اتنے خراٹے لیتا ہے یہ۔ نیند خراب کردی اس نے ساری رات میری۔ کل رات بس ہمیں ہی گھر آتے آتے دیر ہو گئی۔ ورنہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ ابو نے ہمارے آنے سے پہلے ہی نکل جانا ہے تو کبھی بھی ان کے ساتھ باہر نا جاتا۔ گھر ہی رہ لیتا۔ ابو کے ساتھ گھر جا کر کم از کم سکون کی نیند تو میسر ہوتی۔"

زوراور کے بھی اپنے ہی دُکھ تھے۔ لیکن اندر کہیں غازی بھی اس سے اتفاق کرتا تھا۔ امی سے بعد میں بات کرنے کا ارادہ کر کے وہ اٹھا اور فریش ہونے کیلئے اُحد کے کمرے کی طرف بڑھا۔

----

www.novelsclubb.com

باہر کا شور کم ہوتا سن کر زخرف اٹھی اور دروازہ بند کیا۔ تب تک بشریٰ اماں بھی قرآن کی تلاوت کر چکی تھیں۔ پتہ نہیں کیسا اثر تھا زخرف پر یا اس کا خود ہی وہ کتاب پڑھنے کو دل چاہ رہا تھا۔ دروازہ بند کر کے وہ مڑی اور بشریٰ اماں سے خود ہی پوچھنے لگی۔

"دادی، کتاب لے آؤں۔۔۔۔"

بشریٰ اماں چونکی پھر مسکرا کر بولی۔

”خیریت، بہت دل کر رہا ہے آج تمھارا۔“

”جی دادی، کیونکہ میں نے محسوس کیا ہے کہ ماضی ہماری زندگی کا بنیادی زینہ ہوتا ہے۔ جب تک ہم اس زینے کو نہیں چڑھیں گے ہمارا ذہن ہمارا ساتھ نہیں دے گا۔ وہ ہمیں بار بار پیچھے کی طرف کھینچے گا۔ ماضی کو ہم کبھی بھول نہیں سکتے تو کیوں نہ ماضی کو دہرائیں تاکہ ہمیں اپنی درست سمت کا اندازہ ہو اور ہم دوبارہ وہ غلطی نا کریں۔۔۔۔۔۔“

پھر کچھ کہتے کہتے وہ رُک گئی۔ جیسے بلاارادہ ہی منہ سے کچھ نکلنے لگا ہو۔ سر جھٹک کر وہ صوفے تک گئی اور بیگ سے بُک نکالنے لگی۔ بشریٰ اماں نے اس کے ایسے چپ ہونے کا نوٹس لیا تھا لیکن پھر زیادہ نہیں پوچھا۔ وہ اسے بولنے کا وقت دیا کرتی تھیں اور وہ کچھ دیر، کچھ گھنٹے، یا کچھ دن بعد خود ہی بشریٰ اماں کو ساری بات بتا دیا کرتی تھی۔

زخرف ان کے ساتھ بیڈ پر آ کے بیٹھی اور مطلوبہ صفحہ نمبر کھولنے لگی اور پھر۔۔۔۔۔۔۔۔۔

دیکھتے ہی دیکھتے ان کے اِرد گرد چیزیں بدلنے لگی۔ ماحول بدلنے لگا۔ وقت بدلنے لگا۔ جگہ بدلنے لگی اور وہ دونوں مکمل طور پر اس کہانی میں غرق ہو گئیں۔ جیسے وہ دونوں خود

اس کہانی کا حصہ ہوں۔

موسم میں آج اچھی خاصی تپش تھی۔آسمان پر سورج پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔بادل جیسے ناراض ہو کر آسمان میں کہیں چھپ سے گئے تھے۔سورج کی تپتی گرم شعائیں یونیورسٹی کی بلند و بالا عمارت پر پڑ رہی تھی۔اس پُر شکوہ عمارت کے برعکس لوگوں کو اس شدید گرمی میں کام کرنا کافی مشکل لگ رہا تھا۔

ایسے میں وہ دونوں لوگوں کی بھیڑ میں گزرتے دیکھائی دیئے۔دفعتاً ارسم اس کی جانب جھک کر پوچھنے لگا۔

"کیا میں 'آپ' کو تم کہہ سکتا ہوں۔۔۔؟"

www.novelsclubb.com

زینب حیران ہوئی۔یہ کیسا سوال تھا۔پھر کچھ کہنے کی بجائے خاموش رہی۔اس کے چہرے پر سنجید گی تھی۔

"ویسے ہم اب دوست بن ہی گئے ہیں تو دوستوں میں 'آپ' جناب اچھا نہیں لگتا۔تو 'تم' ہی ٹھیک ہے۔"

کچھ دیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد وہ خود ہی بول اٹھا۔زینب ابھی بھی خاموش رہی۔وہ سمجھا شاید وہ ابھی ان کمفرٹیبل ہے۔

"زینب۔۔۔۔۔۔۔"

اپنے نام کی پکار پر وہ چونکی۔پھر اس نے سر اٹھایا۔سامنے سے شانیہ سٹوڈنٹس کے درمیان میں سے گزرتی اس کی طرف آ رہی تھی۔اُس کے کندھے پر بیگ تھا۔اس نے سکن اور گرین کلر کا فراک پہنا ہوا تھا۔ساتھ میں اسکن ہی ڈوپٹہ گلے میں ڈالے، بالوں کی پونی بنائے وہ یونی کے پہلے دن کیلئے مکمل تیار تھی۔

"کدھر تھی تم۔میں نے تمھیں کہا تھا یونی کے گیٹ پر میرا انتظار کرنا۔تم سے کچھ دیر صبر نہیں ہو سکا۔کتنی دیر انتظار کر کے اب میں اندر آئی ہوں۔"

"میں وہ۔۔۔۔۔۔"

"سبحان اللہ۔۔۔۔۔۔۔"

www.novelsclubb.com

شانیہ نے ابھی کچھ کہنے کیلئے لب کھولے ہی تھے کہ ارسم حیرت سے بول اٹھا۔

"شکر ہے اللہ کا، آپ بولی تو سہی۔آپ سے جتنی ملاقاتیں ہوئیں ہیں پہلی بار آپ کے منہ سے اتنا بڑا جملہ سنا ہے۔میرے کان ابھی تک یقین نہیں کر پا رہے ہے۔"

شانیہ حیرت سے پوری اس کی طرف گھومی۔جو پتہ نہیں کون تھا اور کیا کیا بکواس کر رہا

تھا اور اس کی ہمت کیسے ہوئی شنایہ دلاور کی بات کاٹنے کی۔

"یقین کرو، میں سمجھا تمھیں کوئی بیماری ہے۔ تم زیادہ بولو گی تو

-----------------"

"اوہ مسٹر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

شنایہ اس کی قینچی کی طرح چلتی زبان کو بریک لگانے کیلئے اس کے سامنے آئی۔ ایسے کے زینب پوری طرح اس کے پیچھے چھپ گئی۔ اب وہ زینب اور ارسم کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔

"تم ہو کون اور کیا فضول میں بک بک کئے جا رہے ہو۔ زینب کبھی لڑکوں سے بات نہیں کرتی۔ تم میری معصوم اور شریف دوست کو تنگ کر رہے ہو۔ میں بالکل یہ برداشت نہیں کروں گی۔ تم رُکو زینب۔۔۔۔۔۔"

زینب جو اسے بازو سے ہلا کر متوجہ کرنا چاہتی تھی شنایہ نے اسے ہاتھ اٹھا کر رُکنے کا اشارہ کیا۔

"اور تمھاری ہمت کیسے ہوئی میری 'شنایہ دلاور' کی بات کاٹنے کی۔ آج تک میرے بابا نے میری بات نہیں کاٹی۔ تم کیا چیز ہو بھئی۔ اب نکلتے بنو یہاں سے اس سے پہلے میں کمپلین کروں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

غصے سے بولتے اسے سانس چڑھنے لگا تھا۔دھوپ اس کی پشت پر پڑ رہی تھی۔ارسم کو اسے دیکھنے کیلئے آنکھیں چھوٹی کرنا پڑ رہی تھیں۔اپنی بات ختم کر کے وہ مڑی اور زینب کی طرف متوجہ ہوئی اور اِدھر زینب کے چہرے کی ہوائیاں اُڑی ہوئیں تھیں۔وہ بس ہکا بکا سی شنایہ کے کندھے سے پیچھے دیکھ رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو۔وہ چلا گیا۔چلو کلاس ڈھونڈھے۔۔۔۔۔"

جب زینب نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے زینب کی نظروں کے تعاقب میں مڑ کر دیکھا۔وہ ابھی تک کھڑا تھا۔وہ صرف زینب کے اس کو دیکھنے کی وجہ سے کھڑا تھا۔کوئی اور ہوتا تو کب کا چلا گیا ہوتا۔

"تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"بس کرو شنایہ۔۔۔۔"

اس سے پہلے کہ شنایہ دوبارہ بولنا شروع کرتی اب کی بار وہ آگے بڑھی۔اب دھوپ اس کی پشت کی بجائے اس کے دائیں طرف پڑ رہی تھی اور وہ شنایہ اور ارسم کے درمیان میں کھڑی تھی۔یونیورسٹی کے رش سے ہٹ کر وہ قدرے ایک طرف کھڑے تھے۔ پسِ منظر میں یونی کا شور ویسا ہی تھا۔

"ان سے ملو، یہ ہیں 'ارسم ابراہیم'۔میں ایک دفعہ پہلے بھی ان سے مل چکی ہوں اور

اب ہم باقاعدہ دوست ہیں۔"

اس نے دوست پر زور دیتے ہوئے کہا۔جہاں شنایہ کی آنکھیں حیرت سے کُھلیں وہیں ارسم کے ہونٹوں پر دوست سن کر دل کش سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اور ارسم یہ ہے میری اکلوتی دوست 'شنایہ دلاور'۔اس کی باتوں کا غصہ مت کیجئے گا۔ بس کوئی بات دل میں نہیں رکھتی۔ تھوڑی سی سٹریٹ فارورڈ ہے۔"

زینب نے تعارف والا مرحلہ خود ہی سرانجام دیا۔شنایہ ابھی تک حیران تھی۔

"تھوڑی سی نہیں بہت زیادہ سٹریٹ فارورڈ ہے۔"

ارسم بڑبڑایا۔ لیکن اس کی بڑبڑاہٹ زینب اور شنایہ تک بخوبی پہنچی تھی۔اس سے پہلے کہ غصے سے بھری شنایہ کچھ کہتی زینب نے شنایہ کا بازو پکڑا اور اسے ساتھ لئے چلنے لگی۔

"ہماری کلاس شروع ہونے والی ہے۔ چلو چلیں۔ پھر ملاقات ہو گی۔"

"زینب یہ کب ہوا اور مجھے بتانے کا ارادہ کب تھا۔"

www.novelsclubb.com

وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

"ابھی چلو بعد میں بات کرتے ہیں۔"

زینب نے آہستہ آواز میں کہتے ہوئے بات ٹال دی۔

"میں بھی آتا ہوں۔ سیم سبجیکٹس ہیں ہمارے۔"

ارسم بھی پیچھے ہی بھاگا۔

"بس اب اس بندر کو بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ فضول میں پیچھے پڑ والیا ہے۔"

شنایہ سخت کوفت زدہ تھی۔

"مِس شنایہ مجھ تک آواز آرہی ہے۔"

ارسم نے اونچی آواز میں اسے باور کروایا۔

"جی جناب، آپ کو سنانے کیلئے ہی بولا ہے۔"

شنایہ نے بھی تپ کر کہا۔

"تم دونوں چپ کر جاؤ۔ خدا کا واسطہ ہے۔"

زینب نے عاجز آکر کہا۔ بس ہاتھ جوڑنے کی کسر باقی تھی۔ کیونکہ کلاس آگئی تھی اور وہ دونوں مسلسل بول رہے تھے۔ خدا ہی جانتا تھا ان کی دوستی کا کیا ہونے والا تھا۔

www.novelsclubb.com

"زینب یہ کیا پلے پڑ والیا ہے اور مجھے بتانے کا ارادہ کب تھا تمھارا۔ ایک ملاقات ہو بھی گئی تمھاری اور میں بے خبر ہوں۔"

تیسرے لیکچر میں پہلے ہی دن سر نا آنے کی وجہ سے وہ دونوں کلاس میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔جب ارسم کو باہر جاتا دیکھ کر شنایہ زینب سے کہنے لگی۔زینب نے ایک نظر دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے وہ ابھی باہر گیا تھا۔پھر شنایہ کی طرف مڑی۔

"کالج کے باہر ایک دن ملاقات ہوئی تھی۔۔۔۔۔مجھے یہ گھورتا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اور پھر زینب نے اتا یے ساری بات شنایہ کے گوشِ گزار کی۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اب تم اسے دوست بنا لو گی۔"

"شنایہ پلیز، یونی لائف میں ایسے بہت سے دوست بنتے ہیں۔اس کا مطلب ہے ہر ایک سے سلام دعا کے بدلے میں تم مجھے یوں ہی لیکچر دو گی۔"

زینب نے قدرے اکتا کر کہا۔پہلے اس کے ذہن میں موحد کا فقرہ گونجتا رہا تھا اور اب شنایہ۔مطلب وہ اپنی مرضی سے اپنی زندگی گزار ہی نہیں سکتی تھی۔وہ کسی لڑکے سے دوستی کرتی بھی نا لیکن پتہ نہیں کیوں وہ اُسے انکار نہیں کر پائی تھی۔ایسے جیسے کوئی پُرانا سا تعلق لگتا تھا۔جیسے وہ بھیڑ میں بھی اسے اس کی آواز سے پہچان لے گی جیسے۔۔۔۔۔۔۔

"ہیلو لیڈیز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

آواز پر جہاں زینب کی سوچوں کا ارتکاز ٹوٹا وہیں شنایہ بھی اپنی جگہ اُچھلی۔ وہ ناجانے کب کلاس کے پیچھے والے دروازے سے داخل ہو کر ان تک پہنچا تھا۔

"تم دونوں ادھر کیوں بیٹھی ہو۔ اٹھو، یونی گھومو، انجوائے کرو۔"

کہتے ہوئے وہ ان کے سامنے آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ کلاس میں چند لوگ ہی بیٹھے تھے۔ باقی سارے آوارہ گردی کیلئے باہر نکلے ہوئے تھے۔

"نہیں ابھی دل نہیں ہے۔ پھر اگلے پورے چار سال یہی یونی تو دیکھنی ہیں۔"

زینب نے ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔

"اچھا مجھے تو نہیں لگتا کہ اگلے چار سال یونی ایسی ہی رہی ہے۔ چیزیں ہر روز بدلتی ہیں۔ کچھ پہلے سے خوبصورت ہو جاتیں ہیں اور کچھ بدتر۔ لیکن اگلی ہی نظر میں بھی چیز دیکھنے پر ویسی نہیں رہتی۔۔۔۔۔۔"

پھر اس نے گردن گھما کر کلاس کو دیکھا۔

"یقین جانو، تم لوگ ہر روز یونی کو نئی نظر سے دیکھو گی تو ہر روز نئی لگے گی۔۔۔۔۔۔ دل میں بس ایک یقین ہو کہ آج کچھ نیا دیکھنا ہے تو یقین جانو سچ میں کچھ نیا نظر آئے گا۔۔۔۔۔"

زینب دلچسپی سے اسے دیکھتی غور سے سن رہی تھی۔ جبکہ شنایہ نے منہ بنا کر رُخ پھیر

لیا۔

”ہنہ، زیادہ ہی فلاسفر بن رہا ہے۔۔۔۔۔۔“

وہ بڑبڑائی۔ وہی بڑبڑاہٹ جو زینب اور ارسم کے ساتھ ساتھ کلاس کے پچھلے دروازے سے داخل ہوتے سٹوڈنٹس نے بھی سنی تھی۔

زینب کا اس کو دیکھتا تسلسل ٹوٹا۔ اس نے کرسی کے پیچھے سے اسے کمر پر چٹکی کاٹی۔ جس کا اُس پر کوئی اثر نا ہوا پھر اس نے ارسم کو دیکھا جس کی مسکراہٹ میں رتی برابر فرق نہیں آیا تھا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور قدم قدم پیچھے کو اٹھاتے ہوئے اونچی آواز میں بولا۔

”میڈم شنایہ آزما کر دیکھ لینا۔ پھر ایک دن فلاسفر نہ سہی ایک بندہ ضرور یاد آئے گا۔ جسے تم 'ارسم ابراہیم' کے نام سے جانتی ہو گی۔۔۔۔۔۔۔“

شنایہ نے اس کا ایک ایک لفظ سنا لیکن چہرہ سیدھا نہیں کیا۔

www.novelsclubb.com

”پھر ملاقات ہو گی زینب۔۔۔۔۔۔۔“

آخر میں زینب سے کہہ کر وہ مڑا اور جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ کچھ سٹوڈنٹس نے چہرہ موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

”زینب میں بتا رہی ہوں یہ لائن مار رہا ہے۔ چھٹی کرواؤ اس کی۔۔۔۔۔۔“

شنایہ سخت کبیدہ خاطر تھی۔ کہہ کر وہ اٹھی اور واک آؤٹ کر گئی۔ زینب نے چند

کرسیاں آگے بیٹھے اس لڑکے کی پشت پر نظر ڈالی جس کے ایک لفظ سے بھی اسے چھچھورے پن کی بو نہیں آئی تھی۔اسے تب بھی یہ محسوس نہیں ہوا تھا کہ وہ اس پر لائن مار رہا ہے جب اس نے زینب کا ہاتھ پکڑا تھا۔کون تھا وہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

پھر آخری کلاس لے کر جب وہ دونوں باہر آئیں تو شنایہ کافی جلدی میں تھی۔عجلت کے عالم میں اس نے زینب کو اس کا رجسٹر تھمایا اور معزرت خوانہ لہجے میں بولی۔

"زینب رئیلی سوری یار،میں تمھیں لے کر نہیں جا سکتی اور تمھارے ساتھ رُک بھی نہیں سکتی کیونکہ پھوپھو کی طبیعت خراب ہے۔مجھے ان کی طرف جانا ہے۔بابا باہر کھڑے ہیں۔"

www.novelsclubb.com

"کوئی بات نہیں۔فکر نا کرنا۔مجھے آیان بھائی لینے آ جائے گے۔"

زینب نے اس کا ہاتھ تھپک کر اسے تسلی دی۔

"چلو پھر ٹھیک ہے۔کل ملتے ہیں۔خدا حافظ۔۔۔۔۔"

اور وہ اپنا بیگ اور ڈوپٹہ سنبھالتی جلدی سے باہر کی طرف بڑھی۔

"ہیلو۔۔۔۔۔۔"

اور وہ اسی وقت کلاس سے باہر نکل کر سیدھا اس کی طرف آیا تھا۔زینب نے گہری سانس لی۔پتہ نہیں اسے اس کا علم کیسے ہو جاتا تھا۔وہ خاموشی سے چلتی رہی کیونکہ ابھی اسے اپنے ڈیپارٹمنٹ سے نکلنے کیلئے کافی چلنا پڑنا تھا پھر مین گیٹ تک بھی بہت پیدل چل کر جانا پڑتا تھا۔وہ بھی اس کے دائیں طرف چلنے لگا۔

"کیسا گزرا تمھارا پہلا دن۔۔۔۔۔"

اسی نے بات کا آغاز کیا۔

"توقع سے بہت اچھا۔تمھارا کیسا گزرا۔۔۔؟"

"بہت زیادہ اچھا۔۔۔۔۔"

ارسم نے مسکرا کر کہا۔زینب نے نوٹ کیا اسے بات بے بات مسکرانے کی عادت تھی۔

www.novelsclubb.com

"گڈ۔۔۔۔۔"

زینب نے مختصر جواب دیا۔

کچھ لمحے دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔دھوپ ان کے سایے ان کے پیروں میں بنا رہی تھی۔جس پر چلتے وہ قدم آگے بڑھا رہے تھے۔پھر ارسم جھجھکتے ہوئے بولا۔

"زینب،ایک بات کہوں۔۔۔۔؟"

زینب نے حیرت سے اسے دیکھا۔وہ اس سے ملنے کے بعد پہلی بار یوں جھجھک رہا تھا۔

"ہاں کہو۔۔۔"

وہ اگلے چند لمحے سر جھکائے چلتا رہا۔کبھی کان کی لو مسلتا،کبھی بال ٹھیک کرتا۔۔۔۔۔۔۔

"کیا مجھے تمھارا نمبر مل سکتا ہے۔۔۔؟"

بالآخر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تمھیں کیوں چاہیے۔"

زینب نے دوبدو جواب دیا۔

"ویسے ہی کبھی کبھی ضرورت پڑ جاتی ہے۔۔۔۔۔"

ارسم نے پھر کان کھجائے تھے۔زینب نے غور سے اسے دیکھا۔دیکھنے میں وہ کوئی ایسا ویسا لڑکا لگتا تو نہیں تھا۔۔۔۔۔پھر۔۔۔۔۔

"لکھو۔۔۔۔"

زینب نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ارسم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں کہہ رہی ہوں۔نوٹ کرو۔۔۔۔۔"

زینب نے دوبارہ کہا۔ارسم گڑبڑایا۔پھر جلدی سے موبائل نکال کر بولا۔

"بولو بولو،میں سن رہا ہوں۔۔۔۔"

نمبر نوٹ کرنے کے بعد وہ بیگ کندھے پر درست کرتے ہوئے بولا۔

"تم اپنی دوست سے کافی مختلف ہو۔۔۔۔میں حیران ہوں تمھاری اس سے دوستی کیسے ہوئی۔۔۔۔۔؟"

زینب ہلکا سا ہنسی۔

"بس غصے کی تھوڑی تیز ہے۔دل کی بہت اچھی ہے۔"

وہ دونوں اب ڈیپارٹمنٹ کے ایریا سے باہر آچکے تھے۔سورج کی تپتی شعائیں ابھی بھی ان پر پڑ رہیں تھیں۔

"بس کرو دل کی اچھی۔صبح مجھے بندر کہہ رہی تھی۔"

ارسم نے اسے دیکھتے ہوئے باور کروایا۔

"ہاں تو ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔پھر وہ جلدی سے زبان دانتوں تلے دبا گئی۔لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ارسم نے صدمے سے اسے دیکھا۔

"کیا میں تمھیں واقعی ایسا لگتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔"

"نہیں وہ میں۔۔۔۔۔۔۔۔"

زینب نے کچھ کہنا چاہا۔لیکن ارسم کے دل کو لگ چکی تھی۔

"تم لوگ کیسے مجھے بندر کہہ سکتی ہو۔امی کہتی ہیں خاندان کا سب سے خوبصورت بچہ ہوں میں۔۔۔۔۔امی کو شکایت لگاؤں گا میں تمھاری،،۔۔۔۔۔۔"

ناراضگی سے کہتے ہوئے وہ اس سے دو قدم آگے چلنے لگا۔

"ارسم سنو تو۔۔۔۔۔"

"نہیں بس بہت ہو گیا۔میرا تو دنیا سے اعتبار ہی اٹھ گیا ہے۔۔۔۔۔"

وہ آگے چلتے ہوئے ہاتھ جھلا کر بولا۔زینب فوراً رک گئی۔

"مسٹر ارسم!۔۔۔۔۔"

اس نے پیچھے سے پکارا۔

"یو نو،میرے بابا کہتے تھے۔بات وہ کرو جو دل کو لگے۔پھر چاہے وہ تلخ ہو یا سادہ۔۔۔۔۔"

ارسم کے قدم اس کے سادہ لہجے پر رُکے تھے۔وہ مڑا۔دھوپ کی کرنیں اس پر پڑی۔ اس نے زینب کو دیکھا تو وہ اندھیرے میں دیکھائی دی۔دھوپ کی کرنیں اس کے اطراف سے ہوتی اس پر پڑ رہی تھی۔اس نے ہاتھوں کا چھجا بنا کر آنکھوں پر رکھتے ہوئے

زینب کے تاثرات دیکھنے چاہے۔

"تم کو تو میری سادہ بات برداشت نہیں ہوئی۔میری تلخ باتیں کیسے برداشت کرو گے۔۔۔۔"

ارسم کو لگا وہ مسکرائی ہے۔تلخ سی مسکراہٹ۔وہ دو قدم اس کی طرف بڑھا۔اب ان کے درمیان چند قدم کا ہی فاصلہ تھا۔

"کیا دوستوں کو تلخ باتیں کہنی چاہیے۔۔۔۔۔؟"

پتہ نہیں اس نے کیا سوچ کر یہ پوچھا تھا۔۔۔۔اس کی بات سن کر زینب مزید اس کی طرف جھکی اور اس کے کان کے نزدیک سرگوشی نما آواز میں بولی۔

"جناب،یہ دنیا تلخ ہے۔اس میں رہنے والے لوگ تلخ ہیں۔جب تک ہم اس دنیا کو تلخ نظروں سے نہیں دیکھیں گے ہم اس دنیا میں نہیں رہ سکتے۔ویسے کبھی کبھی اپنے اندر کی تلخ باتیں اپنے الفاظ کے ذریعے کہہ دینی چاہیے۔پھر چاہے سامنے والا انسان آپ کا قریبی ہو یا آپ کا کوئی دوست۔۔۔۔"

اتنا کہہ کر وہ پیچھے ہٹی اور اس کے دائیں طرف سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔پہلے تو وہ وہیں کھڑا حیرت سے اس کے الفاظوں کی بازگشت سنتا رہا پھر یک دم پلٹا اور اس کے پیچھے بھاگا۔

"یار تم اتنا کچھ اتنی آسانی سے کیسی کہہ سکتی ہو۔۔۔۔۔اور کہاں سے سیکھا ہے ایسا بولنا۔۔۔"

پھولے ہوئے سانس کے درمیان وہ اس کے ساتھ چلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

اس کی بات سن کر وہ زخمی سا مسکرائی۔ارسم نے اس کی مسکراہٹ دیکھی پھر خود ہی جلدی سے بولا۔

"آئی گیس، تم کہو گی تمھیں یہ باتیں زندگی نے سیکھائی۔حالات اور یہ لوگ بہت کچھ سیکھا دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔۔۔"

زینب نے کچھ کہنے کیلئے لب کھولے ہی تھے کہ فوراً بند کر لئے۔وہ بالکل خاموش ہو گئی۔ارسم نے اسے ایسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو 'دیکھا میں ٹھیک کہہ رہا تھا۔'

کچھ دیر دونوں ایسے ہی خاموش چلتے رہے۔بس سامنے اب یونی کا مین گیٹ نظر آرہا تھا۔پھر زینب آہستہ سے بولی۔

www.novelsclubb.com

"مجھے یہ سب لوگوں نے اور زندگی نے نہیں سیکھایا۔میں نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے۔ میرے بابا کہا کرتے تھے کہ لوگوں کی باتوں سے زیادہ لوگوں کے تلخ رویے اور بے زاریت بھرے لہجے انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔"

رہ رُکی۔ارسم سانس روکے اسے سن رہا تھا۔وہ جانتا تھا اس کی بات ابھی مکمل نہیں

ہوئی۔پھر گہری سانس بھر کر دوبارہ بولی۔

"تمھیں کس نے کہا میں حالات سے ہاری ہوئی لڑکی ہوں۔میں حالات سے ہاری ہوئی لڑکی نہیں ہوں۔میں لہجوں سے جنگ کرتی ہوئی لڑکی ہوں۔۔۔۔"

بات کے اختتام پر زینب نے اسے دیکھا۔جسے یک دم شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔

"سوری مجھے نہیں پتہ تھا تمھارے والد اس دنیا میں نہیں ہیں۔اللہ ان کی مغفرت کرے۔۔۔۔"

"الہٰ آمین۔۔۔۔۔"

زینب نے آنکھیں بند کر کے آنکھوں میں آنے والی نمی اندر اتاری تھی۔اپنے والد کے چھوٹے سے ذکر پر بھی اس کی آنکھیں ایسے ہی نم ہو جاتی تھیں۔پھر اس کے شرمندہ چہرے کو دیکھ کر بولی۔

"میرا مقصد تمھیں شرمندہ کرنا نہیں تھا۔خیر اچھے انسان ہو۔بات کر کے اچھا لگا تم سے۔کل ملاقات ہو گی پھر۔اللہ حافظ۔۔۔"

کہہ کر اپنی چادر درست کرتی وہ مین گیٹ کی طرف بڑھی۔وہ بھی کندھے سے پھسلتے بیگ کو دوبارہ کندھے پر دھکیلتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگا۔

تب تک وہ یونی کے گیٹ سے باہر نکل چکی تھی۔یونی کے گیٹ سے تھوڑا پیچھے کھڑی

کار میں وہ بیٹھ رہی تھی۔اس نے دیکھا فرنٹ سیٹ پر اس کے ساتھ ایک لڑکا بیٹھا تھا۔ جو مسکرا کر زینب کو سیٹ بیلٹ لگاتے دیکھ رہا تھا۔پھر زینب نے اسے کچھ بتایا تو وہ اس کی بات پر ہنس دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاڑی کو زن سے آگے بھگا لے گیا۔ارسم کے ذہن میں کچھ اٹکا۔اسے کچھ بُرا لگا تھا پھر وہ سر جھٹک کر ہوسٹل جانے والے راستے کی طرف بڑھا۔

رات اس علاقے پر اُتری تو ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔کہیں کہیں سٹریٹ لائیٹس کی روشنی جلتی دیکھائی دیتی تھی ورنہ ہر طرف اندھیرا تھا۔آسمان کا چاند بھی آج بادلوں میں چھپا ہوا تھا۔تارے بھی زمین کے مکینوں کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔گلی محلوں میں خاموشی تھی۔لیکن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس گھر میں آج خلافِ معمول ہر چہرے پر مسکراہٹ تھی۔بڑوں کی تو بیٹھک میں سیاست کے موضوع پر گرما گرم بحث چل رہی تھی جبکہ سارے بچے لاؤنج میں بیٹھے

باتیں کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ ناکچھ کھیلنے میں لگے تھے۔زینب بھی آج سب کے ساتھ بیٹھی ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سب کی نوک جھونک سن رہی تھی۔

دفعتاًاس کے موبائل کی رِنگ ٹون بجی۔اس نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر دیکھا تو کسی ان ناؤن نمبر سے اس کے واٹس ایپ پر میسج آیا تھا۔

"ہیلو زینب۔۔۔۔۔۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو وہ سیدھا بلاک کر دیتی۔لیکن آج یونی کا پہلا دن تھا اور بہت سی لڑکیوں کو اس نے نمبر دیا تھا۔اسی وجہ سے اس نے واٹس ایپ کھولا اور میسج لکھنے لگی۔

"آپ کون۔۔۔۔۔۔۔۔؟"

بھیج کر وہ ایان کی طرف متوجہ ہوئی جو اسے کہہ رہا تھا۔

"چلو،زینب اب تمھاری باری۔گھماؤ اس بوتل کو۔"

وہ لوگ ٹرتھ،ڈیئر کھیل رہے تھے۔زینب سنگل صوفے پر بیٹھی تھی۔اسکے دائیں جانب ڈبل صوفے پر ایان اور سحرش جبکہ سامنے والے صوفے پر ایان اور موحد بیٹھے تھے۔موحد کے ساتھ وانیہ تھی،صدف اور غزل لاؤنج کے درمیان میں کرسیاں رکھ کر کتابیں کھولے بیٹھی تھیں۔موحد اور زینب بالکل آمنے سامنے تھے۔

زینب نے ایک ہاتھ سے بوتل کو گھمایا۔دوسرے ہاتھ میں ابھی بھی فون پکڑا تھا۔پیغام

زینب کو ملا تو اس نے سکرین کو دیکھا۔ جہاں بھیجنے والے کا میسج جگمگا رہا تھا۔

"جسے آپ صبح بندر کا لقب دے چکی ہیں۔۔۔۔"

پڑھتے ہی زینب کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے جسے اس نے جلدی سے دانتوں تلے دبا کر کنٹرول کیا۔ دوسری طرف ایان اسے کہہ رہا تھا۔

"چلو زینب، پوچھو کچھ موحد سے۔۔۔"

اب کے زینب نے نظر ٹیبل پر ڈالی تو اس کی گھمائی ہوئی بوتل نے اس کا اور موحد کا رُخ اختیار کیا ہوا تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا تو موحد کی سیاہ آنکھیں اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ وہ صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے ایک ہاتھ صوفے کی پشت پر پھیلائے، دوسرا ہاتھ ٹانگ پر ٹکائے دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں چیلنج تھا۔ زینب نے گہری سانس لے اور پھر اعتماد سے بولی۔

"ترتھ اور ڈیئر۔۔۔"

www.novelsclubb.com

"ڈیئر۔۔۔۔۔"

اس نے بِلا تامل کہا۔ جیسے وہ سوچ کر بیٹھا ہو۔ اس کا یہ اعتماد ہی موحد کو سلگاتا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی موبائل کی اسکرین پیغام ملنے سے پھر جگمگائی۔ زینب نے ایک نظر سکرین کو دیکھا۔ جہاں پیغام جگمگا رہا تھا۔

"تم مجھے نظر انداز کر رہی ہو اور مجھے نظر انداز ہونا بالکل نہیں پسند۔۔۔"

"زینب ڈیئر دے بھی دو۔۔۔"

منان نے اسے چپ دیکھ کر کہا۔

"ہاں دو۔ میں بھی تو دیکھو تم میرے بھائی کو کیا کرنے کا کہتی ہو۔"

سحرش نخوت سے بولی۔ زینب نے اس کے لہجے کو نظر انداز کرتے ذہن میں الفاظ جوڑے۔

"میں مدد کروں۔۔۔۔"

وانیہ نے پیشکش کی۔۔۔"

"نہیں وہ خود دے گی۔۔۔۔۔"

موحد نے قطعی لہجے میں کہا۔ وہ پُر سکون مسکراتی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اور زینب کیلئے اس کا یہی سکون عذاب بنا ہوا تھا۔

"آپ کیلئے میرا ڈیئر یہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔"

اتنے میں زینب کا فون بجنے لگا۔ اب وہ اسے مستقل مزاجی سے کال کر رہا تھا۔ زینب اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کہاں جا رہی ہو۔۔۔۔؟"

موحد نے اسے اٹھتے دیکھ کر فوراً کہا۔زینب نے پہلے اپنے موبائل کو دیکھا جسے وہ سائلنٹ لگا چکی تھی پھر اس نے موحد کو دیکھا۔

"ابھی میری دوست کی کال آرہی ہے۔آپ پر میرا یہ ڈیئر ادھار رہا پھر کبھی دوں گی۔
"

عجلت میں کہتی وہ جانے کیلئے مڑی۔

"واپس تو آؤں گی نا۔ابھی ہم نے کسوٹی کھیلنی ہے۔۔۔"

ایان نے پیچھے سے آواز دی۔زینب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"نہیں آپ لوگ کھیلیں۔میں اب فون سن کر آرام کروں گی پھر کبھی سہی۔۔۔۔"

کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔موحد کی آنکھوں نے دور تک اس کا پیچھا کیا تھا۔

"کیا کہہ سکتے ہیں ہم اب۔اب وہ یونی جاتی ہے اپنی مرضی ہے اس کی۔۔۔"

سحرش کے طنزیہ تبصرے نے اسے ہوش دلایا۔

"کیا کہہ رہی ہو تم۔اس نے کہا وہ تھکی ہوئی ہے،بس اسی لئے چلی گئی۔"

ایان فوراً زینب کی حمایت میں بولا تھا۔

"بھائی آپ زینب کی زیادہ ہی طرفداری کرتے ہیں۔میں نے نوٹ کیا ہے۔"

اس بات پر کتابوں پر جھکی صدف نے فوراً سر اٹھا کر لقمہ دیا۔

”اچھا چلو بس کرو۔ ہم کھیل رہے تھے۔ چلو منان اب تمھاری باری۔ بوتل گھماؤ۔۔۔“

ایان نے بات سمیٹتے ہوئے بات ہی بدل دی۔ سب دوبارہ گیم کی طرف متوجہ ہوئے لیکن اب موحد صرف ایان کو جانچتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا مسئلہ ہے تمھیں۔ انسان مصروف بھی ہوتا ہے لیکن تم میں تمیز نام کی چیز ہی نہیں ہے۔۔۔“

زینب نے سیدھا چھت کا رُخ کیا تھا۔ فون اوکے کرتے ہی وہ دوسرے انسان پر برس پڑی۔

”یو آر رائٹ، میں بہت بد تمیز ہوں۔ اپنے دوستوں کے معاملوں میں۔ کال نہیں

اٹھاؤں گی تو یونہی کروں گا۔۔۔"

ارسم نے اتنے ہی سکون سے جواب دیا تھا۔ چھت کی خاموشی کی وجہ سے آواز باہر بھی آ رہی تھی۔

"لیکن میں اس وقت کال نہیں اٹھا سکتی تھی۔ اتنی مشکل سے اٹھ کر آئی ہوں سب کے درمیان میں سے۔۔۔"

وہ غصے میں بھی کوشش کر رہی تھی کہ آواز زیادہ اونچی نہ ہو۔

"آہاں، تو آپ سب کے درمیان میں سے اٹھ کر آئی ہیں۔ پوچھ سکتا ہوں کہ وہ سب کون ہیں۔۔؟"

ارسم کی آنکھوں کے سامنے صبح والا منظر آیا تو تپ کر بولا۔ اس کی بات سن کر زینب دروازے سے ذرا ہٹ کر کھڑی ہوئی پھر منڈیر سے ٹیک لگا کر رکھائی سے بولی۔

"میری ایک فیملی ہے ارسم، مجھے اپنے گھر کے حالات دیکھ کر تمام کام کرنے ہوتے ہیں۔ میں ایسے ہی کسی سے بات نہیں کر سکتی۔ ہماری فیملی میں اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا۔"

"اچھا چلو ٹھیک ہے پھر میں فون رکھتا ہوں۔"

وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔ گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"رُکو۔۔۔۔"

وہ جلدی سے بولی۔

"کیاہوا۔۔۔۔۔"

وہ جیسے بادلنخواستہ رکا۔زینب نرم پڑی۔

"اب ہم تھوڑی دیر بات تو کر سکتے ہیں۔۔۔"

اور نیچے جا کر ان کے درمیان بیٹھتے کی بجائے زینب خالد نے ارسم ابراہیم سے بات کرنے کو ترجیح دی۔

"ابھی کسی کی فیملی میں یہ اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔۔۔۔"

اس نے بھی جتایا۔

"ارسم۔۔۔۔۔۔۔"

www.novelsclubb.com

اس نے دبی آواز میں تنبیہ کی۔

"اچھا سوری۔۔۔۔۔"

وہ سیدھا ہوا پھر بولا۔

"اچھا تو بتاؤ تم نے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

اور پھر وہ دونوں باتوں میں مصروف ہو گئے۔فیملی کے علاوہ ان کے بیچ ہر طرح کی بات

ہوتی رہی۔

زینب کو بالکل احساس نہیں ہوا کہ وہ کافی دیر سے بات کر رہی ہے۔ تقریباً گھنٹے بعد جب اس نے موبائل کان سے ہٹایا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ یہ ایک گھنٹے سے شروع ہونے والی کال کا سلسلہ کس حد تک جانا تھا ابھی زینب خالد کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا۔

اگلے دن یونی کے فارغ پیریڈ میں وہ تینوں کینٹین میں چلے آئے۔ وہ دونوں آگے تھیں اور وہ بیگ کندھے پر ڈالے ان سے دو قدم پیچھے تھا۔
ایک ٹیبل کے پاس وہ رُکیں اور اپنے رجسٹرڈ ٹیبل پر رکھے اور اپنے بیگ کرسی کی پشت پر لٹکاتی کرسیوں پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔ آخر کو اتنی دور تھی کینٹین۔ اتنا چل کر آئے تھے وہ تینوں۔

"ایک منٹ۔۔۔۔۔"

اس سے پہلے کہ ارسم بیٹھتا شنایہ نے اسے انگلی اٹھا کر روکا۔ زینب نے کراہ کر رُخ

کینٹین کے کاؤنٹر کی طرف پھیر لیا۔وہ شنایہ کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھی۔ لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔تنگ آکر اب اس نے اسے ارسم کے متعلق کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

"مجھے یہ بتاؤ، ہمارے ساتھ کوئی میگنٹ اٹیچ ہے جو تم ہمارے ساتھ ساتھ ہی چلے آتے ہو۔۔۔۔"

زینب نے اتنا سن کر بھی رُخ نہیں موڑا۔وہ کاؤنٹر کے پاس کھڑی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔جو کافی دیر سے سر جھکائے کھڑی اپنے ہاتھ میں پکڑے پیسے گن رہی تھی۔زینب نے دیکھا وہ کافی بار یہ عمل دہرا چکی تھی۔ لیکن وہ آگے بڑھ کر کچھ کھانے کیلئے نہیں لے رہی تھی۔اسے بے اختیار اپنا آپ یاد آیا۔جب وہ بھی اپنے بابا کو ایسے ہی پیسے گنتا دیکھ کر کچھ لینے کی خواہش کو اپنے اندر ہی دبا لیتی تھی۔

"پہلے میں بیٹھ جاؤ۔۔۔"

www.novelsclubb.com

ارسم نے کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے تھوڑا آگے کو جھکتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو۔۔۔"

شنایہ نے جیسے احسان کیا تھا۔

"مِس شنایہ، مجھے دنیا میں اور بھی بہت کام ہیں۔ لیکن آپ لوگوں کے ساتھ اس لئے

چلتا ہوں کیونکہ آپ لوگ لڑکیاں ہیں اور یہاں کو سسٹم ہے۔۔۔۔۔۔"

اس نے معصومیت سے وجہ پیش کی۔ بلیک جینز پر، بلیو شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑے وہ عام سے حلیے میں بھی خاص لگ رہا تھا۔

"کائینڈلی، اپنا یہ فلاحی امداد کا ادارہ کہیں اور جا کر کھولیں اور ہمیں اکیلا چھوڑ دیں۔ ہم اپنی حفاظت کرنا جانتی ہیں۔۔"

اب زینب کو بھی اس کی بات لگی تھی۔ اس نے فوراً رخ موڑا۔

"ارسم تم کہیں نہیں جا۔۔۔۔۔۔۔"

اس سے پہلے کہ زینب کچھ بولتی وہ کرسی دھکیلتا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پھر میز پر ہاتھ رکھ کر زرا سا جھکا۔

"اگر آپ کو یہ خوش فہمی ہے کہ آپ کے علاوہ مجھے یہاں کوئی نہیں جانتا تو یہ دور کر لیں۔۔۔۔۔ اللہ نگہبان۔۔۔۔۔"

کہہ کر وہ مزید جھکا اور کرسی کی ٹانگ کے پاس پڑا اپنا بیگ اٹھایا۔ کندھے پر ڈالتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔ ارسم ابراہیم کیلئے سیلف ریسپیکٹ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں تھا۔ کینٹین کے کونے والے میز کے پاس جا کر وہ رُکا جہاں پہلے سے ایک لڑکا شاید کسی کا منتظر بیٹھا تھا۔ اس نے اسے متوجہ کیا تو اسے دیکھ کر وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور مسکراتے

www.novelsclubb.com

ہوئے اس کے گلے لگا۔شاید وہ اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

"کتنی بد تمیزی ہے ویسے یہ شنایہ۔۔۔۔۔"

پیچھے اس ٹیبل پر آؤ تو زینب سخت خفاسی شنایہ کو دیکھ رہی تھی۔جس کو شاید اپنی غلط بات کا احساس ہوا تھا اس لئے اس کے چہرے پر شرمندہ سے تاثرات تھے۔

"زینب وہ۔۔۔۔"

"پلیز،ابھی مجھ سے بات نہ کرو۔مجھے اکیلا چھوڑ دو۔۔۔۔۔"

خفگی سے کہہ کر ملامتی نظروں سے اسے دیکھتی وہ بھی کرسی دھکیل کر اٹھی اور اپنا رجسٹر ڈ اٹھایا۔پھر کرسی کی پشت سے اپنا بیگ اتارتی وہ باہر کی طرف چل دی۔

کینٹین کے کونے والی میز پر بیٹھے ارسم نے یہ منظر دیکھا تھا اور جب تک زینب نظروں سے اوجھل نہیں ہوگئی تھی وہ اس کی پشت کو دیکھتا رہا۔پھر سر جھٹک کر اپنے دوست کی طرف متوجہ ہوا۔

www.novelsclubb.com

وہ کم عمر دبلا،پتلا سا نوجوان تھا۔آنکھوں پر عینک لگائے،بال پیچھے کو سیٹ کئے۔وہ اس وقت بلیک جینز اور گرے شرٹ میں ملبوس تھا۔اس وقت ٹیبل پر آگے کو جھکے پریشان چہرے سے ارسم کو دیکھ رہا تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو۔۔۔۔۔۔۔"

"مشورہ لینے ہی تو آیا ہوں۔۔۔۔"

بات کرنے سے قبل ارسم نے زرا کی زرا نظر اٹھا کر اس ٹیبل پر بیٹھی شنایہ کو دیکھا جو بگڑے تاثرات کے ساتھ موبائل پر جھکی مسلسل کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔

"تم ایسا کرو آنٹی کی بات مان لو۔۔۔ بات ختم۔۔۔"

"کیا مطلب، تم کہہ رہے ہو کہ میں وہ خالہ کی بیٹی سے شادی کر لوں۔ یہ دیکھو۔۔۔۔"

اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے۔

"میں خودکشی کر لوں گا لیکن اُس افلاطون سے شادی نہیں کروں گا۔۔۔"

"دونوں ہی تم پر حرام ہیں۔ چوائس از یورز۔۔۔"

ارسم نے سہولت سے مشورہ دیا۔ پھر خود ہی ہنس دیا تو اس لڑکے نے اسے گھورا۔

"یار کوئی اچھا مشورہ دو۔۔۔۔"

www.novelsclubb.com

ارسم فوراً سنجیدہ ہوا۔ پھر اسی کے انداز میں ٹیبل پر آگے کو جھکتے ہوئے کہنے لگا۔

"میری بات مانو تو۔۔۔۔۔۔۔۔"

وہ اب اسے کچھ تفصیل سے سمجھا رہا تھا اور پیچھے ٹیبل پر بیٹھی شنایہ ابھی تک جھلا کر زینب کو میسج لکھ رہی تھی۔ پھر اس نے غصے میں فون رکھ دیا۔ یہاں سے باہر آؤ تو کینٹین

والے علاقے میں کافی رش تھا زرا کینٹین کی پچھلی طرف کا منظر بناؤ تو وہاں مکمل خاموشی اور سکوت تھا۔ جیسے وہ علاقہ یونی سے تھوڑا ہٹ کر ہو۔ وہ وہاں نیچے ایک اسٹیپ پر پلر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھی دور آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی اسے کیا ہوا تھا۔ اسے بس شنایہ کا ارسم سے ایسے بات کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ شنایہ اس کی اتنی پرانی دوست تھی وہ اس کے ساتھ بد تمیزی بھی نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن وہ ارسم سے بھی دوستی رکھنا چاہتی تھی۔

پتہ نہیں کیوں لیکن موحد کے کہے گئے الفاظوں کے باوجود وہ ارسم سے رابطہ رکھنا چاہتی تھی۔ اسے اس دن سے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بھیڑ میں چل رہی ہے اور اچانک اسے وہ پکارتا ہے۔۔۔۔۔ اور وہ فوراً پلٹ کر لوٹتی ہے۔ لیکن اسے یاد تھا ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

موبائل کی بپ بجی تو اس نے نکال کر دیکھا۔ شنایہ کا میسج تھا۔

''اچھا نا زینب، آئیندہ اسے نہیں ٹوکو گی۔ بتاؤ تو سہی ہو کہاں تم۔۔۔''

زینب نے خاموشی سے موبائل آف کر دیا۔ اب اس نے سر اٹھا کر دوبارہ اس منظر کو دیکھا تو ایک لمحے کیلئے مبہوت سی دیکھتی رہ گئی۔ پت جھڑ کے موسم میں وہ آسمان اور وہ درخت جیسے منظر کا حصہ لگ رہے تھے۔ دفعتاً ہوا کا ایک جھونکا آیا اور بہت سے پتے ہوا

کی سمت دوسری طرف اڑ گئے۔اسے نیلے رنگ کی جھلک دیکھائی دی۔اس نے غور سے دیکھا تو وہ نیلے رنگ کے کبوتروں کا ایک جوڑا تھا جو درخت پر بیٹھا تھا۔وہ بھی جیسے اس منظر کا حصہ تھے۔اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی۔

”یقین ہو کہ ہم کچھ نیا دیکھیں گے تو، کچھ نیا ضرور نظر آتا ہے۔۔۔۔“

اس نے سر جھٹکا۔اس کی باتیں جیسے ہر وقت اس کے کانوں میں گونجتی رہتی تھیں۔

ارسم کو اس نے زیادہ ہی سر پر سوار کر لیا تھا۔

----

www.novelsclubb.com

اگلا ایک ہفتہ وہ سب بہت مصروف رہے۔وہی یونی کے پہلے ہفتے کی مصروفیت شروع ہو گئی تھی۔لیکچرز، نوٹس، اسائنمنٹ اور اب تو انہیں پہلی پریزنٹیشن کا ٹوپک بھی مل چکا تھا۔وہ ایک دوسرے سے بہت کم ہی بات کر پاتے تھے۔

ارسم کینٹین والے واقعے کے بعد زینب اور شنایہ کے پاس نہیں گیا تھا البتہ کہیں نظر

آجاتی تو علیک سلیک کر لیتا تھا۔زینب نے اسی دن ہی اس سے معزرت کر لی تھی۔اب تو اس کی ارسم سے موبائل پر بھی کم ہی بات ہوتی تھی۔پڑھائی کا بھی یک دم کافی بوجھ آ گیا تھا۔

آج کافی دنوں بعد ان کے ایک سر نے چھٹی کی تھی جس کی وجہ سے بہت سے سٹوڈنٹس پارک میں جگہ جگہ بیٹھے باتوں میں مصروف نظر آرہے تھے۔وہ بھی پارک کے سرے پر کھڑی سب پر نظر ڈال رہی تھی۔ان تمام میں اسے وہ کہیں بھی نظر نہیں آیا۔

شاید آج نہیں آئی تھی۔اس کا موڈ تھا کہ آج وہ ارسم سے فیس ٹو فیس مل کر بات کلیئر کر لے۔اس نے پورا ہفتہ خود پر قابو کیا تھا لیکن اب تمام باتوں کے باوجود وہ چاہتی تھی کہ ارسم اس سے دوستی رکھے۔

ایسے ہی سوچوں میں گھری وہ اپنے اپارٹمنٹ کا چکر لگانے لگی۔چلتے چلتے وہ کینٹین کے ایریا میں آ گئی۔پھر اس کے قدم خود بہ خود بیک ایریا کی طرف بڑھے۔وہ ان تمام دنوں میں جب بھی فارغ ہوتی تھی وہی آ کر بیٹھ جاتی تھی۔وہاں خاموشی اور سکون ہوتا تھا۔

آخری گلی کا موڑ مڑ کر وہ ابھی ایک قدم آگے بڑھی ہی تھی کہ یک دم چونکی۔

وہاں ایک پلر کے ساتھ وہ ٹیک لگا کر سر جھکائے بیٹھا تھا۔زینب نے چاروں طرف

دیکھا۔وہاں کوئی نہیں تھا۔بالکل خاموشی تھی۔

وہ چند قدم مزید آگے بڑھی تو واضح ہوا۔وہ بہت محویت سے سر جھکائے کچھ لکھ رہا تھا۔

"ارسم۔۔۔۔۔۔"

اس نے پکارا تو وہ بُری طرح چونکا۔وہ بہت محو ہو کر لکھ رہا تھا۔اس نے گردن موڑ کر دیکھا پھر گہری سانس لی۔

"اوہ تم۔۔۔۔۔"

اس نے جلدی سے اپنا قلم اور جرنل بند کیا اور وہاں سے چیزیں سمیٹ کر اس کیلئے جگہ بنائی۔

"آؤ زینب بیٹھو،"

"میں نے تمھیں ڈسٹرب تو نہیں کیا۔کیونکہ میں دیکھ رہی تھیں تم بہت محویت سے کچھ لکھ رہے تھے۔اتنا کہ تمھیں میرے یہاں آنے کا احساس بھی نہیں ہوا۔۔۔۔"

"کب سے کھڑی میرا معائنہ کر رہی ہو۔۔۔۔۔؟"

اس نے ہلکا سا ہنس کر پوچھا۔پھر نا محسوس انداز میں اپنے جرنل کو اپنے ادھ کھلے بیگ کے اندر کیا۔

"میں ابھی آئی ہی تھی بس۔۔۔"

وہ بھی وہیں زرا فاصلے پر بیٹھ گئی۔ کھلتا سبز رنگ پہنے، ڈوپٹہ سر پر لے کر چادر کو کندھوں پر ٹکائے وہ پیاری لگ رہی تھی۔

"سہی۔۔۔۔۔"

ارسم کہہ کر سامنے دیکھنے لگا۔ جہاں درختوں کا نا ختم ہونے والا سلسلہ چل رہا تھا۔ سورج غائب تھا اس لئے وقفے وقفے سے چلتی ہوا بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہوا کا جھونکا آتا اور اپنے ساتھ نا جانے کتنے پتوں کو اڑا کے لے جاتا۔ یہ منظر حسین تھا۔

کچھ دیر دونوں ہی خاموش رہے پھر ارسم نے سر سری سا پوچھا۔

"تمھاری دوست نہیں آئی آج۔۔۔۔"

"نہیں۔۔۔۔۔"

کہتے ہوئے زینب نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ زرا مختلف لگ رہا تھا۔ شاید اس نے بال کٹوائے تھے یا شاید بیئرڈ تھوڑی ہلکی تھی۔ پھر اس نے پوچھا۔

"تم کسی بات پر ناراض ہو۔۔۔۔"

"نہیں تو، تمھیں ایسا کیوں لگا۔۔۔۔"

"دیکھو ارسم، وہ تو بس ایسے ہی کہہ دیتی ہے۔ اس کا مقصد تمھیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ وہ بعد میں شرمندہ تھی۔"

زینب نے وضاحت پیش کرنی چاہی۔

"تم یونہی غلط سمجھ رہی ہو۔ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔میں نے تمھیں کچھ کہا۔؟"

ارسم نے گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے سکون سے پوچھا۔سبز ڈوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ گھبرایا ہوا الگ رہا تھا۔

"پھر کیا تمھارے اس گریز کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔۔۔۔"

"ارے یار، میں نے کہا نا تم غلط سمجھ رہی ہو۔۔۔۔۔میں نے ایسا کچھ بھی نہیں سوچا۔۔۔۔۔"

وہ سر جھٹک کر ہلکا سا مسکرایا۔

"میں بس کچھ اسپیس دینا چاہتا تھا۔۔۔۔"

"کیوں۔۔۔۔۔"

"کیونکہ میں نے پڑھا تھا اسپیس رشتوں میں جادو کا کام دیتی ہے۔۔۔۔اور واقعی رشتوں میں جتنی دوریاں ہوتیں ہیں رشتے اتنے ہی مضبوط بنتے ہیں۔یہ دوریاں ہی ہمیں احساس دلاتی ہیں کہ رشتوں کی گہرائی کتنی ہے۔کونسا رشتہ کتنا اہم ہے یہ پھر خود بہ خود واضح ہو جاتا ہے۔۔۔۔"

پلر سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے آرام سے کہا تھا۔وہ ایک پلر کے ساتھ جبکہ زینب

دوسرے پلر سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی۔اب وہ براہِ راست زینب کو دیکھ رہا تھا۔

"تو پھر تمھیں کیا معلوم ہوا۔ہمارے رشتے کی گہرائی کتنی ہے۔۔۔"

زینب کو یک دم اس موضوع میں دلچسپی پیدا ہوئی۔دلچسپی سے پوچھتی زینب تھوڑا آگے ہوئی۔

"مجھے۔۔۔۔۔۔"اس نے حیرت سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں زینب،اس معاملے میں احساس مجھے نہیں تمھیں ہونا تھا۔۔۔۔۔۔"

ارسم کی سکون سے کہی بات نے چند لمحے زینب کو سکتے میں ڈالا تھا۔

"تو پھر 'زینب خالد' بتاؤ کیا سیکھا تم نے اس ہفتے میں۔۔۔"

وہ اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔زینب کا سکتا ٹوٹا۔اس نے دیکھا ارسم کے ہونٹوں پر حسبِ معمول مسکراہٹ تھی۔

"تمھاری باتوں کی کمی سب سے زیادہ محسوس ہوئی۔۔۔۔"

"اوہ،نوازش آپ کی۔۔۔۔۔"

اس نے سر کو خم دیتے ہوئے تعریف وصول کی۔پھر نا جانے کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بڑبڑایا۔

"کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ جیسے۔۔۔۔۔"

وہ الجھا۔زینب نے چونک کر اسے دیکھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے احساسات کو الفاظ میں ڈھال نہیں پا رہا تھا۔

"ہاں لگتا ہے جیسے۔۔۔۔جیسے۔۔۔۔تم بھیڑ میں میرے آگے کسی کا ہاتھ تھامے چل رہی ہو۔میں تمھیں آواز دیتا ہوں۔۔۔۔اور تم فوراً پہچان کے چہرہ موڑتی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔"

زینب نے مزید حیرت سے اسے دیکھا۔یہ تو اس کا خیال تھا۔ایسے مناظر تو اسے ارسم سے ملنے کے بعد نظر آرہے تھے۔یہ سب تو اس کے ساتھ بھی ہو رہا تھا۔

"یوں کیسے کوئی۔الوژن ہو۔۔۔یا جیسے کوئی جاگتی آنکھوں سے دیکھا جانے والا خواب۔۔۔۔۔۔"

پھر اس نے الجھن سے زینب کو دیکھا۔

"کیا تمھیں بھی ایسا لگتا ہے۔۔۔۔۔۔"

www.novelsclubb.com

زینب نفی میں سر ہلانا چاہتی تھی وہ اس کے سامنے اپنا کوئی احساس نہیں رکھنا چاہتی تھی۔لیکن پھر اس کا سر خود بہ خود اثبات میں ہل گیا۔

اگلے چند لمحے ان کے درمیان بوجھل خاموشی حائل رہی۔پرندوں کی چہچہاہٹ نے سماعتوں پر اپنا قبضہ کئے رکھا۔اس درخت پر وہ کبوتروں کا جوڑا یوں ہی بیٹھا تھا لیکن

انہیں آج کوئی دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔ زینب، ارسم کو دیکھ رہی تھی اور وہ دور اُفق کو۔۔۔۔۔ پھر زینب آہستہ آواز میں بولی۔

"تمھیں پتہ ہے، میں اتنا زیادہ نہیں بولتی۔ کیوں یہ مجھے خود نہیں پتہ۔ لیکن تم سے مل کر الگ ہی احساس ہوا۔ تمھارا زندگی کو جینا اور ہر وقت خوش رہنا اور دوسروں کو بھی رکھنا۔ مجھے پسند آیا۔ میں چاہتی ہوں ہماری دوستی قائم رہے۔ تمھارے ساتھ بات کر کے اچھا لگتا ہے۔"

زینب کہے جا رہی تھی اور وہ بس مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ آج دھوپ نہیں تھی۔ آسمان پر بادلوں کا راج تھا۔ اس لئے ٹھنڈی چلتی ہوا میں وہ دونوں سکون سے بیٹھے تھے۔

"مجھے نہیں پتہ کیسے لیکن میں خود بہ خود تم پر اعتبار کرتی جا رہی ہو۔۔۔۔ تم سے بات کرنا چاہتی ہو۔ تم سے دوستی رکھنا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔ تمھارے اندر کاٹ ہے کہ کوئی تمھیں نہیں سنتا۔ بس اسی لئے تم نہیں بولتی۔ تمھیں کسی سامع کی ضرورت ہے جو تمھارے اندر بھری باتوں کو سنے۔ ایم آر ائٹ۔۔"

ارسم نے اسے آئینہ دیکھاتے ہوئے پوچھا۔ وہ نفی میں سر ہلانا چاہتی تھی لیکن پتہ نہیں

کیااثر تھا۔اس کا سر خود بہ خود اقرار میں ہل گیا۔پتہ نہیں کیا تھا وہ انسان۔۔۔۔۔

ارسم تھوڑا آگے ہوتے ہوئے بولا۔

”بولو زینب، میں سن رہا ہوں۔اگر میرے سامنے بولتے ہوئے تم خود کو ایزی فیل کرواتی ہو تو۔'ارسم ابراہیم' تمھارا سامع بننے کیلئے تیار ہے۔۔۔۔“

زینب خاموش رہی۔بہت دیر وہ خاموش رہی کہ ارسم کو لگا ابھی وہ اٹھ کر چلی جائے گی۔لیکن کافی دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے بولنا شروع کیا۔

”میرے بابا،وہ میرے لئے میرا سب کچھ تھے،میرے آئیڈیل۔ہم تین بہنیں تھیں ۔وہ ہم سے بہت پیار کرتے تھے۔ہماری ہر ضرورت پوری کرتے تھے۔وہ ہمارے سچے خیر خواہ تھے۔لوگ طنزیہ انداز میں بہت کچھ کہہ جاتے تھے لیکن ہمارے بابا نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا۔وہ لوگوں کی باتوں سے ہماری حفاظت کرتے تھے۔وہ ہمارے لئے کھڑے ہوتے تھے۔انہیں ہم پر فخر تھا۔لیکن پھر ایک دن ہمارے گھر پر قیامت بن کر اترا پتہ ہے کیا ہوا۔۔۔۔؟“

آہستہ آواز میں بولتے ہوئے آخر میں اس کی آواز بھیگی تھی اس نے رُک کر ارسم کی طرف دیکھا۔وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔اسے کچھ کچھ سمجھ آ رہا تھا لیکن اس نے پھر بھی نفی میں سر ہلایا۔اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹکا۔زینب کے ہونٹ

کپکپائے۔

''میرے بابا کا انتقال ہو گیا۔ انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور اس دن مجھے اندازہ ہوا' باپ بیٹی کے پاس وہ خزانہ ہے جسے کھونے کے بعد بیٹی خالی ہاتھ رہ جاتی ہے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا۔ دنیا کا کوئی مرد حوا کی بیٹی کی حفاظت اس طرح نہیں کر سکتا جس طرح ایک بیٹی کا باپ اس کی حفاظت کرتا ہے۔۔۔۔"

ایک آنسو اس کے دائیں گال پر لڑھکا۔ شدتِ غم کے باعث اس نے دونوں ہونٹوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر لیا۔ کچھ وقفے کے بعد وہ سنبھلتے ہوئے بولی۔

''بس پھر یہ دنیا ہم پر تنگ ہو گئی۔ خاندان والے جو پہلے بابا کی وجہ سے خاموش رہتے تھے اب وہ بھی ہمیں طعنے دینے لگے۔ بابا کی ڈیتھ میرے لئے بہت بڑا اٹراما تھا۔ میں اتنے دن نہیں بولی تھی۔ بسسس چپ چپ سی ہر کسی کی حرکات نوٹ کر رہی تھیں اور پھر اس وقت میں مجھے سمجھ آیا بابا چھوٹی سی عمر سے میری ذہن سازی کیوں کر رہے تھے۔ وہ بہت مشکل وقت تھا میرے لئے۔ زندگی بہت مشکل لگتی تھی تب۔۔۔۔"

''ہمیں زندگی اتنی ہی مشکل لگے گی اگر ہم زندگی کو گزارے گے۔ ہمیں زندگی اتنی ہی آسان لگے گی اگر ہم زندگی کو جیئے گے۔ زندگی کو گزارنا نہیں جینا سیکھو۔ سب آسان لگے گا۔"

اس کے خاموش ہوتے ہی ارسم بولا تھا۔وہ اس لڑکی کا راز جان گیا تھا۔اسے صرف ایک سننے والا چاہیے تھا۔اس نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم کیسے لوگوں کو زندگی کی اُمید دکھا دیتے ہو۔سرا تھما دیتے ہو کیسے۔۔۔؟"

"اپنی ماما سے سیکھا ہے میں نے یہ۔وہ بہت پازیٹو ہیں۔ہر ایک کو امید تھماتی ہیں۔بس انہی سے یہ عادت مجھ میں آئی ہے۔۔۔"

ارسم کہہ کر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ساتھ ہی اس نے اپنا بیگ اٹھایا۔

"ویسے میں نے سنا تھا لڑکیاں روتے ہوئے اچھی لگتی ہے لیکن تمھیں دیکھ کر سنو وائٹ کی بوڑھی ماں ذہن میں آرہی ہے۔۔"

اور زینب نم آنکھوں سے مسکرا دی۔پھر گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔اُداسی یک دم ہوا ہوئی تھی۔

"تم نے غلط سنا ہے۔ایسا کبھی کسی نے نہیں کہا۔۔۔"

اب وہ پچھلے ایریا سے باہر نکل رہے تھے۔پیچھے درخت کی شاخ پر کبوتر ویسے ہی بیٹھے تھے جن پر آج زینب نے نظر بھی نہیں ڈالی تھی۔کیونکہ اسے آج کے دن کی نئی چیز ارسم کی صورت میں مل گئی تھی۔

"ہاں ہو سکتا ہے میری انفارمیشن محدود ہوں۔۔۔"

اب وہ اس پلر والی جگہ سے دور جاتے جارہے تھے۔ان کی آواز بھی ہلکی ہوتی جارہی تھی۔سامنے سے دیکھو تو زینب کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔وہ اس کا موڈ فریش کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔پتہ نہیں کیسے کرتا تھا وہ۔وہ کبھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ واقعی 'وہ ارسم ابراہیم کو کبھی سمجھ نہیں پائے گی۔'

"سننے میں آیا ہے کہ تمھیں اس نکاح پر اعتراض ہے۔۔؟"

کمرے کے دروازے میں کھڑے ہو کر اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔وہ بیڈ پر بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی۔چونکہ وہ یونی میں مزے کر کے بہت تھک گئی تھی اس لئے گھر آتے ہی کافی بنا کر کمرے میں چلی آئی۔اب کچھ دیر آرام کرنے کے بعد وہ دوبارہ اٹھی تھی اور یونی کے کام میں مصروف ہو گئی تھی۔ابھی پانچ منٹ ہی ہوئے تھے اسے کام

کرتے جب اس آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھایا۔وہ دروازے کے عین وسط میں کھڑا تھا۔چہرے پر غصہ اور آنکھوں میں چبھن لئے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”جی،ہے مجھے اعتراض۔کیا نہیں ہونا چاہیے۔۔۔“

گلے میں لئے ڈوپٹے کو سینے پر پھیلاتے ہوئے اس نے معصومیت سے پوچھا۔اس کی بات سن کر وہ قدم قدم چلتا اندر آیا۔بیڈ کے پاس پہنچ کر اس نے زینب کو بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے میں اٹھایا۔

”تایا ابو نے زیادہ ہی ذہن سازی کر دی ہے تمھاری۔اپنی زندگی میں بڑی باتیں بتادی ہیں انہوں نے تمھیں۔اتنا بولنا اس دنیا میں بہتر نہیں ہے۔۔۔۔۔“

”ابو کو بیچ میں مت لائیں۔۔۔۔۔اور بازو چھوڑیں میرا۔۔۔۔“

زینب نے اسے وارن کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ کی مدد سے اپنا بازو چھڑوانا چاہا۔

موحد نے سختی سے پوچھا۔

”پہلے یہ بتاؤ،نکاح پر کیوں اعتراض ہے۔۔۔۔“

”کیونکہ پہلے ہم نے آپ سب کی بہت خدمت کر لی ہے۔اب آپی کی شادی خاندان سے باہر کسی لڑکے سے کرواؤں گی تاکہ ہم میں سے کسی کو تو یہاں سے چھٹکارا ملے۔“

”تم۔۔۔۔۔۔۔“

زینب کی اعتماد سے کہی بات نے اسے آگ ہی تو لگائی تھی۔وہ کیوں خاموش رہتی۔اپنے ابو کی وفات کے بعد سے دو سال ہو گئے تھے وہ ان سب کے سنتیں تھیں۔اب وہ غلط بات برداشت نہیں کرے گی۔اس نے سوچ لیا تھا اب وہ خاموش نہیں رہے گی۔

موحد نے غصے سے اس کی بازو پر مزید دباؤ ڈالا۔

"موحد بھائی، میرا بازو چھوڑیں، مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔۔۔"

درد کی شدت سے اس نے آنکھیں میچتے ہوئے کہا۔وہ جب بولتی تھی تب یہی ہوتا تھا۔

"میری بات کان کھول کر سنو، میں تمھیں پہلی اور آخری بار وارن کر رہا ہوں۔ میرے معاملات سے دور رہو۔ورنہ انجام کی زمہ دار تم خود ہو گی۔"

"ہاں یہی چاہتے ہیں نا آپ کہ ابو کی دکان کا جو کرایہ ہمیں آتا ہے وہ بھی آپ کے حصے میں آ جائے۔"

درد کی شدت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس نے بے خوفی سے کہا۔موحد ایک لمحے کیلئے ساکت ہوا۔یہ اس کی توقع سے زیادہ تھا۔اسے نہیں پتہ تھا کہ زینب دکان کے کرایے کے بارے میں جانتی ہے۔پھر وہ سرد لہجے میں بولا۔

"دیکھو زینب، آرام سے سمجھ جاؤ۔پہلے ہی تمھیں بہت آزادی دی ہوئی ہے۔میں واقعی نہیں چاہتا کہ کوئی سخت قدم اٹھاؤں۔۔۔۔"

"کب تک۔۔۔ہاں کب تک مجھے چپ کروائیں گے۔۔۔کب تم یتیم کا حق مارتے رہے گے۔ابھی تو آپی کو یہ نہیں پتہ کہ آپ دھوکے بازی سے یہ گھر بھی اپنے نام کروا چکے ہیں اور عزت ہماری پھر کوئی نہیں کرتا۔۔۔"

وہ حساس ضرور تھی لیکن کمزور نہیں تھی۔اپنی بازو چھڑواتے ہوئے لہجے میں تپش لئے بولی۔موحد پھر حیرت میں ڈوبا تھا۔اسے اندازہ نہیں تھا زینب گھر کے معاملات سے اس قدر آگاہ ہے۔موحد نے اس کی بازو چھوڑتے ہوئے اسے بیڈ پر دھکا دیا۔پھر تھوڑا سا جھک کر بولا۔

"چپ تو تم رہو گی اور جب تک میں کہوں گا تب تک رہو گی ورنہ۔۔۔۔"

وہ رُکا۔زینب بیڈ کے کنارے پر ٹکی بازو سہلاتے ہوئے نفرت سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔وہ تھوڑا اور جھکا۔زینب کا سانس رُکا۔وہ فوراً پیچھے ہٹی، پھر وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے سرد لہجے میں بولا۔

www.novelsclubb.com

"ورنہ تمھاری بہن سے پہلے، تمھاری سید ھا شادی کرواؤں گا اور خدا کی قسم میرے لائے رشتے کو ابو انکار بھی نہیں کرے گے۔رشتہ میرا لایا ہوا ہو گا یاد رکھنا۔۔۔۔"

اس کے لہجے کی ٹھنڈک۔زینب ایک دفعہ اندر تک کانپی ضرور تھی۔"نقصان تمھارا ہو گا۔پڑھائی بھی چھوٹے گی اور اپنی مرضی بھی نہیں کر سکو گی۔۔۔چوائس از ٹو ٹلی

یورز۔۔۔۔"

آخری جملہ طنزیہ کہتے ہوئے وہ سیدھا ہوا۔زینب نے اٹکی ہوئی سانس بحال کی۔ تقریباً گھر والے سب شاپنگ کرنے گئے ہوئے تھے اسی لئے کوئی یہ سب دیکھ نہیں پایا تھا۔

باہر کی طرف بڑھتے بڑھتے وہ یک دم رکا پھر مڑا۔

"اور اس خوش فہمی میں بالکل نہ رہنا کہ ابو میرے لائے رشتے کو ریجیکٹ کر دیں گے۔ موحد وقاص کو ابھی تم ٹھیک طرح جانتی نہیں ہو۔"

اتنا کہہ کر وہ رُکا نہیں تھا۔ پیچھے زینب نے سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا۔ یہ نئ مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ وہ یونی سے آنے کے بعد جب امی سے ملنے گئی تھی تو انہوں نے اسے بتایا تھا کہ اس جمعے کو موحد اور وانیہ کا نکاح ہے۔ان کے نکاح کی بات گھر میں کافی دنوں سے چل رہی تھی لیکن اس نے زیادہ سیریئس نہیں لیا۔ایک تو وہ سٹڈیز میں بزی تھی دوسرا اسے لگا تھا وانیہ آپی انکار کر دیں گی۔ لیکن وانیہ کو خوش دیکھ کر اس کے ہوش اڑے تھے۔

اس نے اس نکاح کی سخت مخالفت کی تھی اور چچا جان سے بات کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ منسوخ نا سہی کم از کم اگر وہ ملتوی کروا دیتی تو وانیہ کو خود ہی سمجھا لیتی۔ لیکن اب موحد جو اسے کہہ کر گیا تھا اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

بے بسی سے سر ہاتھوں میں گرائے وہ بہت کچھ سوچ رہی تھی۔ کسی نقطے پر پہنچ کر اس نے بالآخر کوئی فیصلہ کیا۔ کچھ دیر بعد وہ خود کی حالت ٹھیک کرتی امی کے کمرے کی طرف جاتی دکھائی دی تھی۔

اگلی قسط ہفتے بعد انشاءاللہ

www.novelsclubb.com